ومن یتول اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا فان حزب اللہ ہم الغالبون

طریق القلندر

از حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: ادارہ مدرسہ نور محمدیہ قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر (یو۔پی)

۷۸۶

ایک ضروری گذارش

جو اصحاب اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں انکی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ ہمیں براۓ کرم اپنا نام اور ڈاک کا مکمل پتہ لکھ کر بھیجدیں تاکہ ادارہ سے اردو علم و ادب کی جو لاجواب کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں انکی اور دیگر مطبوعات کی اطلاع ہم انکی خدمت میں روانہ کرتے رہا کریں امید ہے کہ ہمارے بھائی اور بہنیں ہماری اس درخواست کو شرف قبول بخش کر نہ صرف اپنا پتہ بلکہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے نام و پتے جلی صاف اور خوشخط اردو میں بھیج کر ہمیں ممنون و مشکور فرمائیں۔

آپ کے تعاون اور دعاؤں کا محتاج

نسیم احمد علوی

مینجر

ادارۂ نور محمدیہ جھنجانہ۔ ضلع مظفر نگر

(یو۔پی)

سلسلہ مواعظ اشرفیہ

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ

ترجمہ

جو شخص محبوب رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور وہ لوگ جو ایمان لائے

بلاشبہ اللہ ہی کی جماعت ہے وہی غالب ہے

طریق القلندر

از

حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رح

ناشر

ادارہ مدرسہ نور محمدیہ قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر

حرفِ اوّل

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رح کو اللہ تعالیٰ نے تحریر و تقریر میں وہ کمال عطا فرمایا تھا جو اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتے ہیں اُن کی ساری زندگی اہتمام اصلاح اُمت اور مسلمانوں کو سچا مسلمان بنانے میں گزری۔ وہ اپنی تصنیفات و تالیفات و خطبات و ملفوظات پر تقریباً ایک ہزار کتب کا ایسا ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں جس سے قیامت تک رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے ان میں حضرت رح کے مواعظ رشد و ہدایت، گنجینہ حکمت و معرفت طالبانِ دین کے لیے ایک نعمتِ عظمیٰ ہیں جن سے اللہ کی مخلوق کو بڑا فائدہ پہنچا۔ علوم و معارف اور اسرار و نکات کے اس بیش بہا ذخیرہ کو جو کمیاب بلکہ نایاب ہوتا جا رہا ہے ادارہ نور محمدیہ از سرِ نو وقتی تقاضوں کے مطابق جدید طرز پر علیحدہ علیحدہ مواعظ کی صورت میں اعلیٰ معیار کی کتابت و طباعت کے ساتھ شائع کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ حضرت رح کا یہ سلسلہ فیض ہمیشہ جاری رہے انشاء اللہ تعالیٰ ان کے مطالعہ سے امتِ محمدیہ کے ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہوگی۔ اس لئے ہر مسلمان کو ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ پیش کردہ وعظ میں حضرت رح نے نہایت احسن طریقہ سے حقیقی قلندری پر تبصرہ فرمایا ہے یعنی سچا قلندر وہ ہے جو شریعت محمدی پر عامل۔ اللہ اور اُس کے نبی

رسول کی محبت میں سرشار ہو۔ حضرت عراقی کے شعر کے حقیقی معنی بھی یہی ہیں جس کی تشریح مولانا رح نے اس وعظ میں بوضاحت فرمادی ہے۔
رب عظیم کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل حضرت کو پڑھنے والوں اور مجھ ناچیز کو اپنی رحمتوں کے سایہ میں لے لیں۔ اور ہم سب کی خطاؤں سے درگذر فرما کر نیک کام کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائیں۔ آمین یا الہ العلمین۔

ادارہ نور محمدیہ کی آمدنی مدرسہ نور محمدیہ زیادہ گار حضرت میانجیو نور محمد صاحب رح کے طلبا و اساتذہ پر صرف کی جاتی ہے جو صدقہ جاریہ ہے۔ لہذا آپ اس ادارہ کی مطبوعات اور دیگر دینی کتب ادارہ نور محمدیہ سے خرید کر قیامت و ابدالآباد تک ثواب حاصل کریں۔

طالب دعا
نسیم احمد علوی جھنجھانوی

طبع اول ایک ہزار

سنہ ۱۹۶۰ء

قیمت ایک روپیہ

باهتمام نسیم احمد علوی بانی و مہتمم مدرسہ نور محمدیہ

ناشر:- ادارہ نور محمدیہ۔ قصبہ جھنجھانہ۔ ضلع مظفر نگر۔ یو۔ پی

اسٹاکسٹ۔ کتب خانہ نعمانیہ۔ دیوبند ضلع سہارنپور۔ یو۔ پی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوعظ المسمّٰی بہ

طریق القلندر الحریق السمندر عـه

این	کہاں ہوا	درگاہ قلندر صاحب. پانی پت
متیٰ	کب ہوا	شب شنبہ ۲۵ صفر ۱۳۳۷ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۱۸ء
کم	کتنی دیر ہوا	۸-۲۲ سے تا ۱۰-۱۲ کل دو گھنٹہ ۴۰ منٹ
کیف	کس طرح ہوا	چوکی پر کھڑے ہو کر
لم	کیوں ہوا	اہل شہر کی درخواست پر
ماذا	کیا مضمون تھا	طریق قلندری جو تصوف کا ایک مقبول طریق ہے اس کا صحیح مفہوم اور اس کے متعلق عام غلطی کا ازالہ
عن ای شان	کس طبقہ کو زیادہ مفید ہوا	اہل تصوف کو
من ضبط	کس نے ضبط کیا	مولوی حکیم محمد مصطفیٰ صاحب و خواجہ صاحب مگر بالقصد خواجہ صاحب نے وقت تبییض دونوں مسودے پیش نظر رکھے
المستمعون	سامعین کی تعداد	تخمیناً چار ہزار ۴۰۰۰

عـه اس ترکیب ایمائیہ میں مقصود تشبیہ دینا ہے طریق کو یعنی عشق کو نار کی ساتھ اور قلندر کو سمندر کی ساتھ کہ آتشی جانور ہے اور نار اس کی غذا ہے۔ اسی طرح عشق غذا عاشق کی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

امّا بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ ○ وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔

جن آیتوں کی میں نے تلاوت کی ہے اُن میں ہرچند کہ مضامین متعدد ہیں مگر باوجود تعدد کے غیر مربوط نہیں بلکہ ان مضامین میں باہم ارتباط ہے اور ارتباط بھی ایسا کہ تابعیت اور متبوعیت یا اصالت

اور شریعت کا کیا معنی کہ ان میں بعض اجزا اصل ہیں اور بعض فروع و توابع یا یوں کہیے کہ بعض مقصود ہیں اور بعض متمم اور مکمل یا یوں کہیے کہ بعض مقصود ہیں اور بعض علامات و آثار، بہرحال جس عنوان سے چاہے تعبیر کیجیے، حاصل یہ ہے کہ بعض مضامین اصل ہیں اور بعض تابع، اب اس اصل کو جس لفظ سے چاہے تعبیر کر دیا جاوے اور تابع کو جس لفظ سے چاہے تعبیر کر دیا جائے لیکن یہ خوب سمجھ لیا جاوے کہ تابع کے یہ معنی نہیں کہ وہ مقصود نہیں، بلکہ مقصود وہ بھی ہیں، مگر مقصود مقصود میں فرق ہوتا ہے یعنی ایک تو مقصود ہوتا ہے من کل الوجوہ اور ایک مقصود ہوتا ہے من بعض الوجوہ، گو لزوم اور وجوب دونوں میں مشترک ہوتا ہے، مثلاً جیسے نماز اور وضو، ہر شخص جانتا ہے کہ نماز اصل ہے اور وضو تابع اور اس کی شرط ہے، مگر باوجود اس کے یہ نہیں ہے کہ وضو کسی درجہ میں بھی مقصود نہیں یعنی اس معنی کر غیر مقصود نہیں ہے کہ بلا وضو بھی نماز کو جائز سمجھا جاوے، بلکہ دونوں میں عجیب تعلق ہے کہ وضو تو بلا نماز کے صحیح ہے لیکن نماز بلا وضو کے صحیح نہیں یعنی یہ تو ہے کہ بدون وضو کے نماز درست نہیں۔ لیکن اس کا عکس

نہیں ہے، مثلاً اگر کوئی وضو تو کرلے مگر نماز نہ پڑھے یعنی
جس نماز کے لیئے وضو کیا ہے اُس نماز کے وقت کے اندر اس
وضو سے اُس نماز کو ادا نہ کرے تب بھی جب دوسرا وقت
نماز کا آئے گا تو کسی مفتی کا فتویٰ نہیں کہ اس دوسری نماز
کے لیئے پھر وضو کرنے کی ضرورت ہے، بلکہ وہی وضو کافی ہوگا
دوسری نماز کے لیئے ادائے اور پہلی نماز کے لیئے قضائے۔
غرض وضو بلا نماز صحیح ہو سکتا ہے، لیکن نماز بلا وضو صحیح نہیں
ہو سکتی۔ یہ مثال اور اس مثال کے اندر یہ خصوصیت
یاد رکھنے کے قابل ہے تاکہ اجمالاً ایک غلطی معلوم ہو جاوے
جو بعض لوگ اعمال کے اندر کرتے ہیں کہ مقاصد غیر مقاصد
کے اندر تفصیل کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اعمالِ غیر مقصود
کا حذف بھی جائز ہے۔ یعنی آج کل یہ بہت زبان زد ہے
کہ مقصود تو حق تعالےٰ کی یاد ہے اور نماز روزہ وغیرہ محض
اس کے ذرائع ہیں اور غیر مقصود ہیں، چنانچہ اس زمانہ میں
بہت لوگوں نے یہ مشرب اختیار کر رکھا ہے، اس مثال
سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ نماز روزہ وغیرہ کا غیر مقصود ہونا
ایسا ہی ہے جیسا کہ وضو کا۔ کہ گو غیر مقصود ہے لیکن کیا اس

کو جائز الحذف یا جائز الترک کہہ سکتے ہیں ، ہرگز نہیں۔ بلکہ غیر مقصود ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مقصود کے برابر نہیں اور غیر مقصود بھی محض اس درجہ میں ہے کہ نماز کا رکن اس میں داخل نہیں کیونکہ شرط ہمیشہ مشروط سے خارج ہوا کرتی ہے۔ مگر بوجہ شرط ہونے کے مقصود کی تکمیل و تتمیم ہونے کے درجہ میں یہ بھی مقصود ہے۔ بہر حال مقصود کے درجات ہوا کرتے ہیں، خوب سمجھ لیجئے۔ میرے الفاظ مقصود و غیر مقصود سے شبہ ہو سکتا تھا۔ اس کو رفع کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ اس مثال سے اس کو رفع کر دیا گیا بلکہ اس طرح کہا جاوے تو اور زیادہ واضح ہے کہ مقصود تو سب اعمال ہیں لیکن بعض مقصود ہیں اور بعض مقصود المقصود و مقصودِ اعظم ہیں ، بہر حال وہ شبہ حذف ہو گیا ، اب بعد حذف شبہ کے میں پھر عود کرتا ہوں اپنی تقریر کی طرف یعنی جتنے اجزا ان آیتوں میں ہیں وہ ہیں تو سب کے سب مقصود لیکن ان میں جو مضمون مقصودِ اعظم ہے اس کو اس وقت بیان کرنے کے لئے میں نے تجویز کیا ہے کیونکہ وہ مضمون از روئے قواعد شرعیہ کے نیز بہ اعتبار

اپنی نوع کے اصل ہے۔ باقی مضامین اسی کے متمم اور توابع اور لاحق ہیں، یہ حاصل ہے اس مضمون کا۔ اس مضمون کا حاصل مفصل تو ان آیتوں میں ہے جو عنقریب بیان میں انشاء اللہ تعالیٰ آنے والا ہے اور مجمل حاصل ایک اور بھی ہے کہ جو حضرت عراقیؒ کے ایک شعر میں ایک دوسرے عنوان سے مذکور ہے۔ جس کے متعلق ایک دوست نے مجھے مشورہ بھی دیا تھا کہ اس شعر کا مضمون آج بیان کیا جاوے۔ وہ شعر حضرت عراقیؒ کا یہ ہے ؎

صنمارہِ قلندر سزد ار بمن نمائی ۔۔۔ کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

مرشد مجھے دکھائے راہِ قلندری اب ۔۔۔ کہ راہِ پارسائی ہے دراز و دُور لمبی ترجمہ

اس وقت اس فرمائش کو میں نے قبول نہیں کیا تھا مگر رد بھی نہیں کیا تھا، وجہ یہ ہے کہ بیان بالکل اختیاری نہیں نہ پہلے سے کوئی مضمون تجویز کیا جاتا ہے، عادت اللہ ہر ایک کے ساتھ جدا ہے، اکثر اور غالب معاملہ اپنے ساتھ یہی دیکھا جاتا ہے کہ عین وقت پر یا قریب کوئی مضمون خود تقاضا کرتا ہے قلب میں، بس اسی کا اتباع کیا جاتا ہے اور اسی کو بیان کر دیا جاتا ہے۔ جس عنوان سے بھی میسر ہوا۔

تو اس وقت گو اس فرمائش کو قبول نہیں کیا گیا لیکن رد کی بھی کوئی وجہ نہ تھی۔ بلکہ ذہن خالی تھا۔ مگر وقت کے قریب اُسی مضمون کا تقاضا قلب میں پیدا ہوا۔ میں نکتہ اس وقت یہ سمجھا تھا کہ چونکہ یہ بیان ایک بزرگ کے مزار کے قریب ہے جو بزرگ اسی لقب کے ساتھ مشہور ہیں (یعنی حضرت شرف الدین بوعلی شاہ قلندر قدس سرہ العزیز ۱۲ جامع) اس لیے یہ فرمائش کی گئی ہے۔ غرض میں یہ سمجھا تھا کہ یہ محض شاعری نکتہ ہے، اسی واسطے قلب نے اس فرمائش کو قبول نہیں کیا۔ لیکن بعد اس کے اس کی ضرورت بھی معلوم ہوئی۔ وہ ضرورت یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی حالت دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر تو وہ ہیں کہ جنھیں اعمال کی طرف توجہ ہی نہیں، بہت سے ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ نہ نماز نہ روزہ اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ نماز روزے کے ساتھ تمسخر بھی ہے اور استہزا بھی ہے۔ کوئی تہذیب کے ساتھ استہزار کرتا ہے، کوئی بد تہذیبی کے ساتھ۔ تو فقط ترک ہی نہیں بلکہ استہزار اور استخفاف بھی ہے۔ اور اگر خیر، استہزار اور استخفاف نہ

بھی ہو تو اخلال اور سستی اور کسل تو ضرور ہے۔ استطاعت ہے اعمال کی مگر نہیں کرتے، نماز روزہ کر سکتے ہیں مگر نہیں کرتے بدنگاہی سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے غیبت سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے۔ پرائے حقوق سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے سب و شتم لڑائی جھگڑا۔ مکر و فریب ان سب سے بچ سکتے ہیں مگر نہیں بچتے۔ کثرت سے تو ہم لوگوں کی یہی حالت ہے کہ گویا اعمال ہیں ہی نہیں بلکہ بجائے ان کے دوسرے اعمال ہیں یعنی معاصی میں مبتلا ہیں۔ اور زیادہ ایسے ہی ہیں مگر اس کی ساتھ ان لوگوں کو اپنے اعمال و طاعات کا دعوی بھی نہیں اس لئے یہ لوگ اتنے زیادہ قابل شکایت نہیں جتنے قابل شکایت وہ لوگ ہیں کہ ان کے یہاں اعمال بھی ہیں تقویٰ بھی، طہارت بھی اور اپنے کو عابد زاہد بھی سمجھتے ہیں مگر ان اعمال میں روح نہ ہونے سے وہ اعمال ایسے ہیں جیسے بادام بلا مغز، یا دودھ بلا روغن۔ ان کے حال پر زیادہ تاسف ہے۔ اور وہ زیادہ قابل رحم ہیں۔ دو وجہ سے، ایک تو یہ کہ بیچاروں نے محنت بھی کی، مشقت بھی اٹھائی، مجاہدے بھی کیے۔ مگر افسوس پھر بھی مقصود حاصل

نہ ہوا۔ سارے دن چلے، دھوپ سہی، خاک چھانی، پیروں میں آبلے پڑے مگر منزل پھر بھی نہ قطع ہوئی۔ مجھے یاد ہے کہ میرے ایک عزیز نے رات کو سفر کا قصد کیا، سواروں میں نوکر تھے، رخصت قریب ختم تھی، ملازمت پر واپس جا رہے تھے، بھتیجے نے کہا بھی کہ اندھیری رات ہے اس وقت نہ چلیے۔ پریشان ہو جائے گا۔ لیکن نہیں مانا کہا تم بچے ہو کیا سمجھو نوکری کا معاملہ ہے۔ رخصت ختم ہو گئی ہے۔ میں کیسے رُک سکتا ہوں۔ بھتیجے نے کہا، بہت اچھا جایئے مگر پریشان ہو جائے گا۔ خیر صاحب چلے وہاں سے۔ رات ایسی اندھیری کہ چل تو رہے مگر کچھ پتہ نہیں کہ کدھر جا رہے ہیں۔ دو چار میل تو خیر ٹھیک چلے۔ کیونکہ اپنے گاؤں سے اتنی دور تک تو راستہ ہر شخص کو معلوم رہتا ہی ہے۔ بے دیکھے بھی آدمی جا سکتا ہے۔ مگر آگے چل کر خدا معلوم رخ کس طرف کو ہو گیا کہ راستہ بھولے اور ایسے بھولے کہ بھولنے کو بھی بھول گئے۔ اور بھولنا تو وہی ہے کہ بھولنے کو بھی بھول جائے۔ چنانچہ رستہ بھول کر خدا جانے کہاں سے کہاں پہنچے۔ اور بالآخر خدا جانے کیسا چکر کھایا کہ پھر اسی رستے کو ہو لئے جس

سے روانہ ہوئے تھے۔ اب تو وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم آگے کو چل رہے ہیں اور حقیقت میں ہٹ رہے ہیں پیچھے۔ غرض ساری رات گھوم گھام کر صبح کو لوٹ کر پھر وطن شریف ہی میں آپہنچے۔ صبح صادق کا وقت تھا، ان کے مکان کے قریب جامع مسجد ہے جو بہت کرسی دار ہے اور اس کے فنا میں ایک برگد کا درخت ہے۔ جامع مسجد کو دیکھ کر کہا کہ اخاہ یہ کون سا گاؤں ہے جس کی مسجد بھی ایسی ہی ہے جیسی ہمارے گاؤں کی۔ پھر برگد ملا۔ کہا ارے میاں یہ تو درخت بھی ویسا ہی ہے جیسا ہمارے گاؤں کا۔ یہ گاؤں تو ہمارے وطن کا مرکز ہے۔ بھائی یہ گاؤں بہت اچھا ہے۔ آگے بڑھے تو اپنا سا مکان بھی معلوم ہوا۔ اب سمجھ میں آیا کہ کیا قصہ ہے۔ بھتیجے صاحب مکان سے نکل کر نماز کو جا رہے تھے۔ انھوں نے کہا۔ السلام علیکم۔ کہا کون۔ فلانے۔ کہا ہاں۔ کہا میاں یہ تو بتاؤ کہ میں ہوں کہاں۔ کہا وہیں ہو جہاں میں ہوں۔ اور کہاں ہوتے۔ کہا ارے میاں میں تو رات بھر چلتا رہا اور پھر گھر کے گھر ہی میں رکھے ہوئے لاحول ولا قوۃ۔ یہ تو بڑی واہیات ہوئی۔ بھتیجے نے کہا

میں نے آپ سے کہا نہ تھا لیکن آپ نے مانا ہی نہیں۔ تو بڑا افسوس ہے ایسے مسافر پر جو ساری رات تو سفر کرے اور صبح کو پھر وہیں آجاوے جہاں سے چلا تھا۔ تھکا بھی ماندہ بھی ہوا وقت بھی صرف ہوا، پھر وہیں کا وہیں جہاں پہلے تھا۔ خیر یہاں یہ بات تو نہیں ہے کہ یہ شخص بالکل مشابہ ہے اس مسافر کے۔ یہاں راستہ کچھ نہ کچھ قطع تو ہوتا ہے لیکن بالکل ناتمام۔ یعنی ایسے جیسے چھکڑے کی چال کہ صبح سے شام تک تو چلا اور کتنا آیا، دس میل۔ اور ایک ریل ہے کہ اتنے میں دو سو میل نکل گئی۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ ریل اور چھکڑے کی رفتار میں جو اس قدر تفاوت ہے تو اس کا سبب کیا ہے۔ ریل میں آخر وہ کیا چیز ہے جس نے اس کی رفتار کو اس درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ سبب اس تفاوت رفتار کا یہی ہے کہ ریل میں مشین لگی ہوئی ہے، اسی نے اس کو ہوا بنا رکھا ہے۔ اگر چھکڑے میں بھی ویسی ہی مشین لگا دیں تو اس میں بھی وہی بات پیدا ہو جاوے بالخصوص جب کہ اس میں مشین لگانا ممکن بھی ہو اور سہل بھی ہو تو حسرت ہے اس شخص پر جو پھر بھی مشین نہ لگائے

پھر ایسے لوگوں میں بھی بعض تو وہ ہیں جو متقی پرہیزگار ہیں اور بعض ایسے ہیں جو محض ریاکار ہیں۔ جس میں ریا اور نمائش ہے اُس کی تو بالکل ایسی ہی مثال ہے جیسی اُس مسافر کی۔ اور بعینہٖ وہی حالت ہے کیونکہ ریا حابطِ عمل ہے۔ گو فرض تو سر سے اُتر جاتا ہے لیکن مقبول نہیں ہوتا اور مقصود مقبولیت ہی ہے جب مقبول ہی نہ ہوا تو وہ پھر عمل ہی کیا ہوا۔ وہ تو لاشئے محض ہوا۔ اُس کی تو وہ پہلی ہی مثال ہے۔ چنانچہ جو لوگ محض نمائش کے لئے عمل کرتے ہیں یعنی فقط اس واسطے کہ لوگ کہیں کہ صاحب یہ بڑے عمل کرنے والے ہیں۔ ان کی بابت حدیث شریف میں وارد ہے۔ فرماتے ہیں جناب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہ قیامت میں سب سے اوّل ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو شہید ہوا ہوگا۔ اللہ کے راستہ میں۔ اس کو بتلایا جاوے گا کہ ہم نے تم کو یہ یہ نعمتیں دی تھیں۔ وہ ان سب نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ پھر اس سے پوچھا جاوے گا کہ ہم نے تم کو یہ نعمتیں دیں اور تم نے اس میں عمل کیا کیا۔ وہ عرض کرے گا کہ میں نے آپ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہاں تک کہ اپنی جان

دے دی۔ ارشاد ہو گا کہ تم جھوٹے ہو، ہم کو خوش کرنے کے لئے جان نہیں دی بل لیقال انک جری۔ بلکہ اس لئے جان دی کہ سب میں یہ شہرت ہو جائے کہ بڑے بہادر تھے فقد قیل۔ تو تمہاری تعریف اور شہرت ہو چکی۔ جو تمہارا مطلب تھا وہ دنیا ہی میں تم کو حاصل ہو چکا۔ دوم تمہارا مدعا پورا ہو گیا۔ پھر حکم ہو گا کہ اس کو منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جاوے، پھر بلایا جاوے گا ایک بڑے عالم کو اسی طرح اس سے پوچھا جاوے گا کہ کہئے صاحب آپ نے کیا کیا۔ وہ کہے گا۔ میں نے یوں وعظ کہے، یوں نصیحتیں کیں یوں لوگوں کو ہدایت کی اور یوں علم سکھایا۔ ارشاد ہو گا یہ ہمارے واسطے نہیں کیا بل لیقال انک قاری بلکہ اس واسطے کہ لوگوں میں مشہور ہو کہ بڑے عالم ہیں۔ بس تو آپ بھی وہیں تشریف لے جائیے جہاں آپ کے بھائی صاحب گئے ہیں۔ ذرا غور تو کیجئے۔ یہ آیا ہے حدیث میں کہ اس کو بھی منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جاوے گا۔ پھر ایک سخی صاحب لائے جاویں گے۔ اُن سے بھی یہی سوال کیا جاویگا وہ کہے گا۔ میں نے بہت مال و دولت اللہ کے راستہ میں

خرچ کیا تھا۔ ارشاد ہوگا کہ اس واسطے نہیں کیا کہ ہم راضی ہوں۔ بل لیقال انک جواد۔ بلکہ اس واسطے کہ لوگ کہیں کہ بڑے سخی ہیں، ان کی داد و دہش کا کیا کہنا ہے۔ بس سارے شہر میں وہی تو ایک سخی ہیں۔ اگر کوئی اور بھی سخی ہوگا تو فلانے کے برابر نہیں ہوگا۔ فقد قیل۔ سو جو تمھارا مقصد تھا وہ حاصل ہو چکا۔ لہٰذا تم بھی وہیں جاؤ جہاں تمھارے دو بھائی جا چکے ہیں۔ چنانچہ اس کو بھی جہنم میں منہ کے بل پھینک دیا جاوے گا۔ تو حضرت یہ تین عمل کتنے بڑے بڑے ہیں، علم دین، سخاوت، شہادت۔ اب ان سے بڑھ کر اور کون عمل ہوگا۔ لیکن دیکھیے ریا کی بدولت ان کی کیا گت بنی ہے۔ وجہ یہ کہ اس شخص کا عمل صرف صورتِ عمل ہے۔ حقیقتاً عمل ہی نہیں اور واقعی جو لوگ محض ریا کار ہیں ان کا تو وہی حال ہے کہ ؎

از بروں چوں گورِ کافر پُر حلل	واندروں قہرِ خدائے عز و جل
ظاہر میں کافر کی گور کی مانند سجا ہوا	اور تیرے اندر خدائے عز و جل کا قہر بھرا
از بروں طعنہ زنی بر بایزید	وازدرونت ننگ می دارد یزید
ظاہر میں تو بایزید جیسے ولی پر طعنہ زن ہے	اور تیرا دل یزید کے دل سے بھی بدتر ہے

ان لوگوں کی تو یہ حالت ہوئی۔ اور بعض وہ لوگ ہیں جن کے عمل ریا سے تو نہیں ہیں، خلوص کے ساتھ ہیں مگر ناتمام اور غیر مکمل گویا جسدِ بلا روح ہیں۔ خیر وہ کچھ ہیں تو سہی مگر ایسے ہی ہیں جیسے چھکڑے کی رفتار بمقابلہ ریل کے تو اگر کوئی نادان ایسا ہو کہ اس کو ریل عطا کی گئی ہو جس میں انجن بھی ہے اور سامان آگ کا بھی موجود ہے مگر صرف آگ ڈالنے اور مشین چلانے کی کسر ہے اگر اس میں آگ چھوڑ دی اور بھاپ پیدا کر دی تو پھر وہ ریل ہے کہ صبح سے شام تک دو سو تین سو میل نکل گئی۔ بلکہ زیادہ، نہیں تو بس ایک ٹھیلہ ہے تو انجن بھی موجود اور آگ کا سامان بھی موجود لیکن بے وقوف ڈرائیور ہے کہ اس کو دھکیلتا ہے، دھکیلنے کے لئے اول تو نیچے اُترنا پڑتا ہے پھر بہت کچھ زور بھی لگانا پڑتا ہے گو اس طرح دھکیلنے سے بھی وہ چلتی ہے کیونکہ آخر لوہے کی سڑک پر ہے مگر کتنی۔ صبح سے شام تک دو تین چار میل بس اور جہاں چھوڑ دیا بس کھڑی ہو گئی۔ اگر فوراً نہیں تو کچھ دور اور چل کر سہی۔ غرض دھکیلنے سے دن بھر میں دو چار میل چل سکتی ہے اور بہت سے بہت دس میل، اگر کوئی بہت

ہی قوی ہوا اور برابر چلا گیا دھکیلتا ہوا۔ تو اُس شخص مذکور کی حالت اس کے مشابہ ہے۔ اور یہ حالت بھی قابل افسوس ہے۔ ہم نے بہت لوگ ایسے دیکھے ہیں کہ تقویٰ بھی، طہارت بھی۔ ظاہری حالت بھی درست، ڈاڑھی بھی نیچی۔ پائنچے بھی ٹھیک، نماز بھی، روزہ بھی۔ یہ سب کچھ مگر ساتھ ہی اس کے روح جس کو میں آگے بیان کروں گا، وہ نہیں۔ غرض ہر عمل بے روح ہے یعنی کم جان ہے گو بالکل بے جان نہیں اس کی رفتار ایسی ہی سست ہے جیسی تمثیل کی حق سبحانہٗ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے ایک انجن گاڑی اس شخص کو دی جس کی کلیں بہت اچھی ہیں، بھاپ بنانے کے لئے سب سامان بھی دیا۔ کوئلہ بھی۔ پانی بھی۔ دیا سلائی بھی مگر آگ سلگائے کون اور بھاپ بنائے کون۔ اس کی بلا۔ سستی کی وجہ سے ہاتھ پاؤں کو اتنی حرکت دینا بھی گراں ہو رہا ہے۔ تو یہاں کسر کاہے کی ہے۔ صرف بھاپ کی اور آگ سلگانے کی۔ چونکہ بھاپ نہیں ہے اس لئے رفتار تیز نہیں ہے۔ اس وقت اسی بھاپ کو ذکر کیا جا رہا ہے اور یہی مراد ہے میری روح سے۔ اور بھاپ نہ تو موجود ہے۔ نہ اس کی

نگر و کوشش ہے اسی کو حضرت عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں ذکر کیا ہے۔ اشارۃً ؎

صنمارہِ قلندر سزدار بمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہِ رسمِ پارسائی

تو یہ ضرورت میری سمجھ میں آئی اس مضمون کی اور اس لئے یہ مضمون باوقعت معلوم ہوا کہ اس میں ایک بڑی کوتاہی کی تکمیل ہے اور اسی وجہ سے اس کو اختیار کیا گیا اور اس ضروری چیز کی شرح اور تعیین میں آگے چل کر کر دوں گا مگر اجمالاً حضرت عراقی کے اس شعر سے سمجھ میں آجاوے گی۔ اصل تو یہ وجہ ہے اس شعر کے مضمون کو اختیار کرنے کی باقی اس میں وہ شاعری نکتہ بھی ہے جس کی بناء پر میرے دوست نے مجھے مشورہ دیا تھا یعنی مقام بیان میں اس لقب کے ایک بزرگ کے مزار کا ہونا۔ مگر ممکن ہے ان کا ذہن بھی اس مضمون کی ضرورت کی طرف بھی گیا ہو۔ بہرحال دو نکتے جمع ہو گئے۔ ایک تو یہ کہ فی نفسہٖ بھی یہ مضمون ضروری ہے دوسرے خصوصیتِ مقام سے اس کا استحسان اور بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ جس مقام پر یہ بیان ہو رہا ہے وہاں ایک ایسے بزرگ کا مزار مبارک ہے جو اس لقب قلندر ہی

کے ساتھ مشہور ہیں، نیز ایک برکت کی بھی انشاء اللہ تعالیٰ توقع ہے۔ پھر چونکہ یہ وعظ ایک بزرگ کے ساتھ نامزد ہے اس لئے بھی اُمید اس مضمون کے نافع ہونے کی ہے۔ مگر یہ سب درجۂ تائید و تزئین میں ہے۔ یہ نکتے درجۂ مقصودیت میں نہیں بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ مجھے اس وقت اُس طریق کو بیان کرنا ہے جس کے متعلق ہم میں کمی ہو رہی ہے اور جس کی طرف اب ہمارا التفات نہیں رہا۔ اس وجہ سے یہ مضمون اختیار کیا گیا ہے تو حق سبحانہٗ تعالےٰ نے جو مضمون اِس آیت میں ارشاد فرمایا ہے وہ اس طریق کی تفصیل ہے البتہ قرآن میں یہ اصطلاح نہیں ہے اور یہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو اصطلاح چاہے مقرر کر لے۔ تعبیر کرنے والے کو اختیار ہے جس اصطلاح میں چاہے کسی مضمون کو تعبیر کرے۔ گو اس آیت میں یہ اصطلاح نہیں ہے لیکن یہ مضمون ہے وہی۔ چنانچہ تفصیل سے معلوم ہو جائے گا لیکن اس کے قبل ممکن ہے کہ کسی کو اس شعر کے متعلق ایک شبہ ہو اس کو رفع کئے دیتا ہوں۔ وہ شبہ یہ ہے کہ حضرت عراقی نے اس شعر میں رہِ قلندر اور رہِ پارسائی کو متقابل فرمایا ہے فرماتے ہیں ع صنمارہِ قلندر سزدار بمن نمائی۔ اے مرشد مجھ کو

قلندر کا راستہ بتلا دیجیے ع کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی
کیونکہ پارسائی کا راستہ تو بہت دور و دراز ہے۔ یہ ترجمہ ہے اس
شعر کا اس سے شبہ ہو سکتا ہے کہ قلندر کا رستہ پارسائی کے رستہ
کے مقابل ہے۔ تو گویا اس طرح قلندری میں پارسائی نہ ہوتی
ہوگی۔ یعنی آدمی بالکل آزاد اور رند بے قید ہو جاتا ہوگا اُسے
ڈاڑھی رکھنی بھی ضروری نہ رہتی ہو گی۔ اس پر نماز بھی فرض نہ
رہتی ہو گی۔ شراب بھی اُسے حلال ہو جاتی ہو گی، غرض حرام
حلال کی تمیز نہ رہتی ہو گی۔ شاید طریق قلندری کا خلاصہ ذہنوں
میں یہی ہو گا تو اللہ بچاوے ایسے طریق سے۔ غرض کسی کو یہ شبہ
ہو سکتا ہے۔ اس شعر کے مضمون سے اس کو پہلے رفع کئے دیتا
ہوں۔ کیونکہ اس کا رفع کرنا فی نفسہ بھی ضروری ہے۔ نیز اس
کی اس بیان میں بھی ضرورت ہو گی، جو مجھے اس وقت کرنا
ہے۔ اور یہ اس بیان میں معین بھی ہوگا۔ اب یہاں ضرورت
ہے تھوڑے سے علم درسی کی۔ مگر خیر میں حتی الامکان آسانی سے
سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ کہ غیر اہل علم بھی بقدر ضرورت
سمجھ سکیں۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ عراقی رح کے شعر میں جو طریق
قلندری و طریق پارسائی میں تقابل واقع ہوا ہے وہ ظاہر سیاق

سے تباین پر ضرور دال ہے جس کے لئے عدم تصادق لازم ہے لیکن تباین و عدم تصادق کے لیئے تنافی و عدم اجتماع ضروری نہیں۔ دیکھیئے کل ہیں اور اس کے اجزاء خارجیہ ہیں تباین و عدم تصادق محقق ہے۔ لیکن تنافی نہیں اور اجتماع ہوتا ہے جیسے بیت کے لیئے جدار اور سقف اجزاء خارجیہ ہیں جن میں باہم تصادق نہیں بلکہ تقابل ہے۔ لیکن ایک کل ہے دوسرا جزو اور دلائل سے ثابت ہے جس کا کافی بیان اس وعظ میں بھی ہے کہ طریق قلندری کے دو جزو ہیں، ایک عمل جو حقیقت ہے طریق پارسائی کی اور دوسرا محبت، اور طریق قلندر نام ہے ان دونوں کے مجموعہ کا اور چونکہ یہ اجزاء خارجیہ ہیں ان میں تصادق تو نہیں مگر کلیت و جزئیت کا تعلق ہے۔ پس طریق قلندر کل ہوا اور طریق پارسائی اس کا ایک جزو ہوا اور جزو کے انتفاء سے کل کا انتفاء لازم ہے۔ پس طریق پارسائی جہاں منتفی ہوگا وہاں طریق قلندری بھی منتفی ہو جاوے گا سو حاصل شعر کا یہ ہوا کہ محض طریق پارسائی کافی نہیں جو کہ ایک جزو ہے طریق قلندری کا۔ بلکہ طریق قلندری مطلوب ہے جس میں دونوں جزو جمع ہیں۔ طریق پارسائی بھی اور طریق محبت بھی

قلندر کا راستہ بتلا دیجیے ع کہ درازو دور دیدم رہ ورسم پارسائی
کیونکہ پارسائی کا راستہ تو بہت دور و دراز ہے۔ یہ ترجمہ ہے اس
شعر کا اس سے شبہ ہو سکتا ہے کہ قلندر کا رستہ پارسائی کے رستہ
کے متقابل ہے۔ تو گویا اس طرح قلندری میں پارسائی نہ ہوتی
ہوگی۔ یعنی آدمی بالکل آزاد اور رند بے قید ہو جاتا ہوگا اُسے
ڈاڑھی رکھنی بھی ضروری نہ رہتی ہوگی۔ اس پر نماز بھی فرض نہ
رہتی ہوگی۔ شراب بھی اُسے حلال ہو جاتی ہوگی، غرض حرام
حلال کی تمیز نہ رہتی ہوگی۔ شاید طریق قلندری کا خلاصہ ذہنوں
میں یہی ہوگا تو اللہ بچاوے ایسے طریق سے۔ غرض کسی کو یہ شبہ
ہو سکتا ہے۔ اس شعر کے مضمون سے اس کو پہلے رفع کئے دیتا
ہوں۔ کیونکہ اس کا رفع کرنا فی نفسہ بھی ضروری ہے۔ نیز اس
کی اس بیان میں بھی ضرورت ہوگی، جو مجھے اس وقت کرنا
ہے۔ اور یہ اس بیان میں معین بھی ہوگا۔ اب یہاں ضرورت
ہے تھوڑے سے علم درسی کی۔ مگر خیر میں حتی الامکان آسانی سے
سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ کہ غیر اہل علم بھی بقدر ضرورت
سمجھ سکیں۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ عراقی رح کے شعر میں جو طریق
قلندری و طریق پارسائی میں تقابل واقع ہوا ہے وہ ظاہر سیاق

ہے تبائن پر ضرور دال ہے جس کے لئے عدم تصادق لازم ہے لیکن تبائن و عدم تصادق کے لئے تنافی و عدم اجتماع ضروری نہیں۔ دیکھئے کل ہیں اور اس کے اجزاء خارجیہ ہیں تبائن و عدم تصادق متحقق ہے۔ لیکن تنافی نہیں اور اجتماع ہوتا ہے جیسے بیت کے لئے جدار اور سقف اجزاء خارجیہ ہیں جن میں باہم تصادق نہیں بلکہ تقابل ہے۔ لیکن ایک کل ہے دوسرا جزو اور دلائل سے ثابت ہے جس کا کافی بیان اس وعظ میں بھی ہے کہ طریق قلندری کے دو جزو ہیں، ایک عمل جو حقیقت ہے طریق پارسائی کی اور دوسرا محبت، اور طریق قلندر نام ہے ان دونوں کے مجموعہ کا اور چونکہ یہ اجزاء خارجیہ ہیں ان میں تصادق تو نہیں مگر کلیت و جزئیت کا تعلق ہے۔ پس طریق قلندر کل ہوا اور طریق پارسائی اس کا ایک جزو ہوا اور جزو کے انتفاء سے کل کا انتفاء لازم ہے۔ پس طریق پارسائی جہاں منتفی ہوگا وہاں طریق قلندری بھی منتفی ہو جاوے گا سو حاصل شعر کا یہ ہوا کہ محض طریق پارسائی کافی نہیں جو کہ ایک جزو ہے طریق قلندری کا۔ بلکہ طریق قلندری مطلوب ہے جس میں دونوں جزو جمع ہیں۔ طریق پارسائی بھی اور طریق محبت بھی

بس اب کوئی شبہ باقی نہیں رہا باقی اب یہ دوسری تحقیق ہے
کہ ان دونوں میں اصل کون ہے، محبت یا اعمال، اس کا فیصلہ
بھی ہوا جاتا ہے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔ یہاں اتنا ہی سمجھ لیجیے کہ
طریق قلندر وہ طریق ہے جو مرکب ہو محبت اور اعمال دونوں
سے۔ آگے ایک اصطلاحوں کا فرق ہے۔ جو اصطلاح متقدمین
میں پائی جاتی ہے اس کے اعتبار سے رہِ قلندر میں یہ بھی قید
ہے کہ جس میں اعمال کی تقلیل ہو، یعنی اعمالِ ظاہرہ مستحبہ
کی، کیا معنی کہ بہت نفلیں اور وظائف نہ ہوں بلکہ محبت کی
خاص رعایت ہو۔ یعنی تفکر اور مراقبہ زیادہ ہو۔ ایک تو اصطلاح
یہ ہے۔ اور ایک اصطلاح اور ہے۔ یعنی خواہ ان اعمال کی
تکثیر بھی ہو مگر غلبہ آزادی کو ہو۔ لیکن آزادی خلق سے نہ کہ
خالق سے۔ کیا معنی کہ قلندر کو دنیا کی وضع اور رسوم کی پروا
نہیں ہوتی۔ نہ مصالح پر نظر ہوتی ہے۔ مثلاً ہم یہ بھی نظر
کرتے ہیں کہ بھائی ایسا نہ کہو، کوئی کیا کہے گا۔ اور مثلاً ہم
لوگ یہ بھی سوچتے ہیں کہ فلانے کو یہ مت کہو۔ برا مانے گا
وحشت ہوگی بھائی۔ مگر بشرطیکہ ان رعایتوں کا شریعت سے
اذن بھی ہو اور قلندر کو اس کی کچھ پروا نہیں ہوتی کہ کوئی

بُرا مانے گا یا بھلا مانے گا۔ اُس کا دل صاف اور سادہ ہوتا ہے غرض، وہ آزاد ہوتا ہے۔ مصالح سے اس کی مصلحت صرف ایک ہوتی ہے

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار | بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند
میری نظر میں یہی بہتر ہے کہ تمام انسان | ہر کام چھوڑ دیں اور صرف اسی کے ہو جائیں

اس کی بڑی مصلحت یہی ہوتی ہے کہ ایک کو لے کر سب کو ترک کردو۔ اُس کی تو بس یہ حالت ہوتی ہے ؎

دلآرامے کہ داری دل درو بند | دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند
اپنے محبوب ہی کا دل میں دھیان رکھ | اور اپنی آنکھ کو تمام عالم سے بند کرلے

اور اس کا یہ مشرب ہوتا ہے ؎

ہمہ شہر پُر ز خوباں منم و خیال ماہے | چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے
دنیا کی رنگینیوں سے مجھے کوئی سروکار نہیں | میری آنکھ اس کے سوا کسی کو نہیں دیکھتی

سوائے محبوب کے کسی پر اُنکی نظر ہی نہیں پڑتی۔ بجز ایک کے سارے جہان کو انہوں نے ہیچ اور فنا کر دیا ہے۔ جب انہوں نے اپنے ہی کو ہیچ اور فنا کر دیا تو پھر دوسرے پر کیا نظر کریں کہتے ہیں نا

عاشقِ بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا | اور جو خود ناکام ہو اس کو کسی سے کام کیا

جب اپنی ہی ہستی مٹا دی تو دوسروں کی ہستی کی انھیں کیا پروا۔ مشہور ہے کہ جب اپنی ہی ٹوپی اتار دی تو پھر دوسروں کی ٹوپی کی کیا پروا۔ جب وہ اپنی ہی ہستی کو مٹا چکا تو دوسروں کی

ہستی کی پروا اس کی جوئی کو، ایسے شخص کو اصطلاحِ صوفیہ میں حُر کہتے ہیں، بعض صوفیائے کرام نے قرآن مجید میں سے ایک لطیفہ نکالا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کے اس قول سے رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ۔ اے اللہ میں تیرے نذر کرتی ہوں جو کچھ میرے پیٹ میں ہے اور تیرے راستہ میں اسے آزاد کرتی ہوں۔ اس کا یہ تھوڑا ہی مطلب ہے کہ وہ غلام تھا اب اُسے آزاد کرتی ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ میں اسے تیرے ہی لئے خاص کرتی ہوں۔ اے اللہ میاں یہ خالص تمہارا ہے تمہارے دین کی خدمت میں ساری عمر رہے گا۔ تو حُر کے معنی خالص کے ہوئے چنانچہ اہلِ لغت نے لکھا ہے طین حُر یعنی وہ مٹی جس میں کنکر وغیرہ نہ ملا ہو۔ حُر خالص مٹی کو کہتے ہیں۔ یہاں بھی حُر کے معنی ہیں خالص اللہ کا۔ اور اب تو خالص کے وہ معنی ہو گئے جو نخالص کے ہیں یعنی ایسا میلا جیسا میل والا گھی۔ سو آج کل کے خالص تو واقعی بالکل نخالص ہیں یعنی اس کے جو اصلی معنی ہیں اُس معنی کر نہیں جیسے عوام پوچھتے ہیں کہ یہ گھی نخالص ہے بیچنے والا کہتا ہے کہ ہاں بالکل نخالص ہے۔ ایسے ہی احرار کی دو

عہ کما فی الصراح۔ طین حُر۔ گِل بے ریگ۔

قسمیں ہیں ایک خالص ایک نخالص۔ نخالص کون جس میں میل ہو، میل کاہے کا ہو، حُبِّ دنیا کا میل ہو، حُبِّ غیر کا میل ہو معصیت کا، شرک کا، کفر کا، یعنی آج کل آزاد اس کو کہتے ہیں جو شریعت سے آزاد ہو۔ اللہ اکبر ایسا شخص بھی کہیں آزاد کہا جا سکتا ہے، حضرت یہ تو وہ آزاد ہے جو ہزاروں قیدوں میں ہے یعنی معصیتوں میں مبتلا ہے پھر آزادی کہاں رہی کیونکہ معصیت کی قید تو سب قیدوں سے سخت قید ہے۔ غرض بے قید کوئی نہیں، کوئی خدا کی قید میں ہے، کوئی شیطان کی قید میں، بہر حال قید سے تو کوئی خالی نہیں۔ اب اس کا فیصلہ خود کر لو کہ کونسی قید پسند کے قابل ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

اسیرش نخواہد رہائی زبند	شکارش نجوید خلاص از کمند
اُس کی محبت کا قیدی قید سے آزادی نہیں چاہتا	اور اس کے عشق کا شکار جال سے چھٹکارا نہیں چاہتا

اور مولانا فرماتے ہیں ؎

گر دو صد زنجیر آری بگسلم	غیر زلفِ آں نگارِ مقبلم
سیکڑوں زنجیریں توڑ ڈالوں	مگر زلف معشوق کی زنجیر توڑنا گوارا نہ کروں گا

یعنی اگر سیکڑوں میں بھی ڈال دیا جاؤں تو ساری قیدیں توڑ ڈالوں

مگر معشوق کی زلف کی قید کہ اس کو توڑنا ہرگز گوارا نہ کروں۔ کیونکہ یہ قید تو محبوب قید ہے۔ غرض قید بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو محبوب قید اور ایک ناگوار قید۔ دیکھو تو سہی اگر عاشق کو کسی دعوت کے لئے پکڑو تو وہ رسے توڑ کر بھاگے گا۔ کہ ہمیں دعوت سے کیا مطلب ہم تو آزاد ہیں۔ اب فرض کرو اسی رد میں محبوب بھی آگیا اور اس نے بھی کہا۔ چلو میاں تمہاری آج دعوت ہے ہمارے یہاں۔ اور وہ اس سے بھی کہہ دے کہ نہیں جناب میں تو آزاد ہوں میں دعوتوں میں نہیں جایا کرتا۔ کوئی اس سے کہے کہ ارے احمق جس کی بدولت تو آزاد ہوا ہے اسی کے یہاں تو آج دعوت ہے جس کے لئے تو نے سارے تعلقات قطع کئے آج کی دعوت اسی شخص کے تعلق سے مسبب ہے اس کی دعوت میں بھی جانے سے تو آزاد بنتا ہے تو تو عاشق ہی نہیں یہ اچھی آزادی ہوئی صاحب کہ نماز بھی چھوڑ دی۔ روزہ بھی چھوڑ دیا۔ یہ آزاد کہاں سے ہوا یہ تو ہزاروں قیدوں کے اندر جکڑا ہوا ہے۔ آزاد وہ ہے جو غیر اللہ سے آزاد ہو، جو خالص اور حر ہو تو قلندر کے یہ معنی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ متقدمین کی اصطلاح میں تو قلندر وہ ہے جس

میں اعمال غیر واجبہ کی تقلیل ہوا ور متاخرین نے اس کے معنی میں وسعت کی ہے۔ یعنی قطع نظر اس سے کہ اعمال میں تقلیل ہو یا تکثیر لیکن خلق سے آزاد ہو اور یہ دونوں اصطلاحیں جدا جدا ہیں لیکن ایک نکتہ کی بناء پر یہ دونوں اصطلاحیں موافق بھی ہو جاتی ہیں۔ یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ قلندر کے اعمال میں تقلیل ہوتی ہے تو قلت اور کثرت امور اضافیہ ہیں سے ہیں یعنی بمقابلہ دوسرے اہلِ اعمال کے تو وہ عمل میں کمی بڑھا ہوا ہے یعنی اوروں سے تو اس کا عمل بھی غالب ہے لیکن خود اس میں جو محبت اور عمل دونوں چیزیں جمع ہیں اُن میں محبت کا حصہ عمل سے بڑھا ہوا ہے۔ پس اس کمی کا یہ مطلب نہیں کہ عمل میں فی نفسہٖ کوئی کمی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ گو عمل بھی بہت بڑھا ہوا ہے لیکن محبت میں اس سے زیادہ بیشی ہے عمل تو کامل ہے ہی مگر محبت کامل سے بھی آگے یعنی اکمل ہے اس تقریر سے یہ دونوں اصطلاحیں باہم متوافق ہو گئیں اب ایک اور تیسری اصطلاح جہلاء کی ہے۔ جو بالکل بدعت ہے کہ قلندر وہ ہے جو چار ابرو کا صفایا کردے اور نماز روزہ سب کو رخصت کردے۔ ایسے شخص کو جہلاء کہتے ہیں کہ صاحب

یہ قلندر رہیں، استغفر اللہ وہ کیا قلندر ہوتا ہاں اگر کوئی معذور ہو غیر مکلف ہو، مثلاً مجنوں ہے، دیوانہ ہے تو وہ مستثنیٰ ہے یعنی خدا کے یہاں اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا یہ دوسری گفتگو ہے کہ آیا وہ کامل بھی ہے، سو یہ خوب سمجھ لیجئے کہ نہ وہ کامل ہے نہ مکمل، کیونکہ مکمل ہونے کے لئے خود کامل ہونا ضروری ہے، تکمیل کے لئے کمال شرط ہے، جو خود ہی درزی کا کام نہ جانتا ہو وہ دوسرے کو سینا کیونکر سکھا سکتا ہے۔ تو مجاذیب اور بہلول جو ہوتے ہیں چونکہ یہ خود کامل نہیں ہوتے لہذا دوسرے کی تکمیل بھی نہیں کر سکتے۔ کامل اور مکمل وہی ہے جو قدم بہ قدم ہو جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے جس کا ظاہر ہو مثل ظاہر پیغمبر کے اور باطن ہو مثل باطن پیغمبر کے یعنی ہر امر میں اور ہر حال میں پیغمبر ہی اس کے قبلہ و کعبہ ہوں، اس کے ظاہر کا قبلہ حضور کا ظاہر ہو اور اس کے باطن کا قبلہ حضور کا باطن ہو اس کو خوب سمجھ لیجئے۔ دیکھیے تو سہی نماز کی صحت کے لئے قبلہ رخ ہونا ضروری ہے، ہاں قبلہ سے تھوڑا فرق ہو تو خیر مضائقہ نہیں نماز صحیح ہوجائے گی چاہے رکعتیں بھی زیادہ نہ پڑھے اور چاہے قرأت میں بھی کچھ تقلیل

ہو مگر ہو قبلہ رُخ تب ہی نماز کی صحت متفق ہوگی اور اگر مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تو چاہے رکعتوں کی تعداد بھی زیادہ ہو اور قراۃ میں بھی تطویل ہو لیکن نماز صحیح نہ ہوگی۔ دیکھو یہ مسجد بنی ہوئی ہے (بیان مسجد سے متصل ہو رہا تھا ۱۲ جامع) اس کی سمت کی طرف نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ وجہ کیا کہ یہ مسجد خانہ کعبہ کی طرف گویا منہ کئے ہوئے ہے۔ لہذا جو کوئی اس کی طرف اپنا منہ کر کے نماز پڑھے گا چاہے دو رکعت ہی کیوں نہ ہوں اس کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ برخلاف اس کے اس مسجد کی سمت کے مقابل مشرق کی جانب اگر آپ اس مسجد کی ایک شکل بنا کر (کیونکہ وہ مسجد کیا ہوگی مسجد کی محض شکل ہی ہوگی) اس میں نماز پڑھیں جس میں اتنی لمبی لمبی سورتیں ہوں کہ ایک رکعت میں تو سورہ بقر ہو۔ دوسری میں سورہ آل عمران، پھر تیسری میں سورہ نساء اور چوتھی میں سورہ مائدہ غرض چار رکعتوں میں یہ بڑی بڑی سورتیں ختم کی گئیں اب آپ ہی کہئے یہ نماز کیسی ہوئی۔ بالکل ہیچ در ہیچ۔ اس پر تو ثواب تو کیا ملتا بلکہ اور عذاب ہوگا۔ تو اس نماز میں کیا چیز کم ہے فقط کمی یہ ہے کہ رُخ قبلہ سے ملا ہوا نہیں ہے اس کے

سوا اور کوئی کمی نہیں، شکل بھی نماز کی، مسجد کی بھی ساری ہیئت وہی لیکن تحریفِ قبلہ کے سبب وہ نماز ہرگز مقبول نہیں بلکہ مردود ہے۔ نماز بھی اور نمازی بھی، تو ہمارے اعمال کا قبلہ وکعبہ جناب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اعمال ہیں جس عمل کا رُخ اس قبلہ کی طرف ہوگا وہی مقبول ہوگا۔ پس ہمارے ظاہر کا قبلہ پیغمبر کا ظاہر ہے اور باطن کا قبلہ پیغمبر کا باطن یعنی ہماری ظاہری حالت وہ ہونی چاہیئے جو حضورؐ کی ظاہری حالت تھی، یعنی آپ کپڑا پہنتے تھے، ہمیں بھی ننگا نہیں رہنا چاہیئے۔ آپ ڈاڑھی رکھتے تھے، ہماری ڈاڑھی بھی مُنڈی یا کٹی نہ ہونا چاہیئے۔ آپ کے ٹخنے کھلے ہوئے رہتے تھے، ہمارے بھی کھلے رہنے چاہیئیں۔ اور یہ ہی نہیں کہ حضور کے ٹخنے کھلے رہتے تھے بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ حضورؐ نے ٹخنے ڈھانکنے سے منع بھی فرمایا ہے۔ اسی طرح حضورؐ کے ناخن ترشے ہوئے اور لبیں بنی ہوئی رہتی تھیں، یہ ہی حالت ہمارے ناخنوں اور لبوں کی ہونی چاہیئے۔ غرض ہمارا ظاہر بالکل مشابہ ہونا چاہیئے حضورؐ کے ظاہر کے کہ بس صورت دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ غلام ہے ایسے آقا کا، ہمارے

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید الہ آباد کے رہنے
والے تھے ۔میں الہ آباد گیا ہوا تھا۔ وعظ کے اندر دیکھتا ہوں
کہ ایک بوڑھے شخص داڑھی منڈی ہوئی خوب گورے
چٹے گوٹ پٹے کے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھے ہیں ،جاڑے
کے دن تھے ، رضائی اوڑھے ہوئے تھے اُس پر بھی گوٹہ اور
چمک لگی ہوئی تھی ۔ وعظ کے بعد میرے پاس آکر بڑی محبت
سے بولے کہ مولوی منہ کھول دے ۔میں نے دل میں کہا کہ جب
یہ ایسی محبت سے کہہ رہا ہے تو لاؤ منہ کھول دو ۔میرا کیا بگڑتا
ہے کوئی تھوک تو دے گا نہیں ۔غرض میں نے اپنا منہ کھول
دیا ۔اُس نے فوراً ہی ایک لڈو میرے منہ میں رکھ دیا ۔میں
نے کھا لیا کہ خدا کی نعمت ہے کسی کے ہاتھ سے دلوائیں ۔میں نے
پوچھا تم کون ہو ، یہ سنتے ہی اُس کی آنکھوں سے آنسو
جاری ہو گئے ۔ تھا صاحب محبت ، غلطی میں مبتلا تھا مکار
نہ تھا ۔ دُکاندار نہ تھا ۔ زار زار آنسو بہہ رہے تھے ۔ وہ خود
ہی شرمندہ تھا ۔ اپنی اس حالت پر رو کر کہا ۔ اس نالائق
کو بندہ امداد اللہ کہتے ہیں ۔ مجھ کو بھی رحم آگیا ۔ آخر پیر بھائی
کا خیال ہوتا ہی ہے ۔ اور نہ بھی ہوتا پیر بھائی تو کیا تھا جو

شرارت اور سرکشی نہ کرے اور اپنے آپ کو خطاوار سمجھے اُس پر رحم ہی آتا ہے البتہ شرارت کرنے والے پر غصہ آتا ہے۔ خیر میں نے اُن سے بات چیت کی اور مناسب تسلی دی۔ اُس وقت تو ان سے مفصل گفتگو کرنے کا موقع ملا نہیں، اتفاق سے ایک مرتبہ گنگوہ گیا ہوا تھا، وہ بھی وہاں چلتے پھرتے آگئے۔ میری جو خبر سنی تو اطلاع کر کے مع ایک مجمعِ عظیم کے میرے پاس پہنچے اور آتے ہی پھولوں کا ہار میرے گلے میں ڈال دیا۔ میں نے ہار تو ہاتھ میں لے لیا اور انبساط کے لئے پوچھا یہ کیسے ہیں، کہا ہم ایک باغ میں گئے تھے۔ عوام الناس ایسوں کے بڑے معتقد ہوتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ قطب الاقطاب ہیں۔ ارے قطب الاقطاب ہوتے تو داڑھی کہاں جاتی مگر ان کے نزدیک تو داڑھی کا نہ ہونا ہی دلیل قطبیت کی ہے اگر یہ بات ہے تو پھر سارا چین اور جاپان بس اقطاب اور اغواث ہی سے بھرا پڑا ہے کیونکہ وہاں قدرتی طور پر کسی کے داڑھی مونچھ نکلتی ہی نہیں۔ غرض ایسوں کو برکت کے لیے کوئی باغ میں لے جاتا ہے۔ کوئی کھیتوں پر لے جاتا ہے ان حضرت کو بھی کوئی اپنے باغ میں لے گیا ہوگا۔ غرض انھوں

نے کہا کہ ہم ایک باغ میں گئے تھے۔ باغ والے نے پھول دے دیئے تھے۔ سو کچھ تو حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چڑھائے۔ جی چاہا کہ کچھ تمھیں بھی دیں۔ کیونکہ وہ پیارے تھے مُردوں میں اور تم پیارے زندوں میں۔ اپنے پیاروں کو اچھی چیز دیا ہی کرتے ہیں۔ یہ انھوں نے تقریر کی۔ بڑا مجمع تھا۔ میں نے کہا شاہ صاحب یہ پھول جو آپ نے شیخ کے مزار پر چڑھائے ہیں آپ کے نزدیک تو بڑی چیز ہیں۔ لیکن ایک مثال فرض کرو اگر کوئی شخص ہو جو سو روپیہ تولہ کا عطر سونگھنے والا ہو اور تم چار آنہ تولہ کا عطر بہت ہی گھٹیا اور چکٹا ہو لے جاؤ اور جا کر اس کی ناک میں دے دو تو۔ کیسا۔ کیا یہ ایذارسانی نہیں ہے۔ کہا۔ بے شک۔ میں نے کہا اچھا اب یہ بتاؤ کہ حضرت شیخ تمھارے نزدیک شمائم روائح جنت سے مشرف ہیں یا محروم ہیں۔ کہنے لگے معاذ اللہ کون کہہ سکتا ہے کہ محروم ہیں۔ میں نے کہا تو بس یہ جو پھول تم نے حضرت شیخ کے مزار پر چڑھائے ہیں دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو ان کی خوشبو پہنچتی ہے یا نہیں پہنچتی ہے۔ اگر نہیں پہنچتی تو پھول چڑھانا بیکار اور اگر پہنچتی ہے تو اُن جنت کے پھولوں کے

مقابلہ میں جو حضرت شیخ کو حاصل ہیں تمہارے یہ دنیا کے
پھول سو روپیہ تولہ کے عطر کے مقابلہ میں چار آنہ تولہ کا چکنا
ہوا عطر ہے یا نہیں۔ کہا۔ بے شک۔ میں نے کہا تو بس یہ تو وہی
مثال ہوئی کہ سو روپیہ تولہ کے عطر سونگھنے والے کی ناک میں
چار آنہ تولہ کا سڑا ہوا عطر دے دیا۔ تم نے پھول چڑھا کر حضرت
شیخ کی روح کو تکلیف پہنچائی۔ کہنے لگے۔ میں توبہ کرتا ہوں، یہ
مسئلہ آج سمجھ میں آیا ہے۔ اب کبھی کسی مزار پر پھول نہ چڑھاؤں گا
میری توبہ ہے۔ اس کے بعد ہم لوگ نماز کے لئے مسجد میں گئے
اور لوگ وضو کرنے لگے اور وہ ایک طرف بیٹھ گئے۔ میں اُن
کے پاس جا بیٹھا اور آہستہ سے کہا کہ تم میرے پیر بھائی ہو۔
اس لئے تم سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ تمہیں حضرت حاجی صاحب
سے محبت ہے یا نہیں۔ بس رونے لگے کہا میں تو عاشق ہوں۔
میں نے کہا پھر عاشق ہو کر کیوں اپنے محبوب کی مخالفت کرتے
ہو۔ کیا حضرت حاجی صاحب کی ایسی ہی داڑھی تھی۔ کہا میں
توبہ کرتا ہوں۔ میں اب کبھی داڑھی نہیں منڈواؤں گا۔ صاحب
انھوں نے ڈاڑھی منڈانے سے بھی توبہ کر لی۔ میں اس شبہ
میں رہا کہ کہیں منہ دیکھے کی توبہ تو نہیں ہے۔ مگر پھر جو میرا الہ آباد

جانا ہوا تو رستہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص خوب مقطع داڑھی
لئے ہوئے سامنے سے چلے آرہے ہیں۔ میں نے پہچانا بھی نہیں
ایک شخص نے بتایا کہ یہ فلانے ہیں۔ تب تو میں بہت خوش ہوا اور
بغل گیر ہو کر ملا۔ تو ان کی اصلاح اسی اصول سے کی گئی۔ کہ جب
تمھاری صورت حضرت حاجی صاحب جیسی نہیں پھر تم ان کے
عاشق کیا ہوئے۔ تو قلندر کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اپنا ظاہر حضور
صلے اللہ علیہ وسلم کے ظاہر کے خلاف رکھے۔ نہ بزرگوں کے کلام
میں کہیں اس کے یہ معنی منقول ہیں محض لغو اصطلاح ہے اور
اس غلط اصطلاح کے ہونے سے ایک اور خرابی ہو گئی وہ یہ کہ
جن بزرگانِ دین کا جن میں علماء بھی تھے قلندر لقب ہو گیا۔
چنانچہ حضرت قلندر صاحبِ مزار بھی عالم تھے۔ عوام
ان کی نسبت اس لفظ کو سن کر یہ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ یہ حضرات
بھی ایسے ہی ہوں گے کہ نہ داڑھی نہ مونچھ نہ نماز نہ روزہ۔
لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ حاشا وکلا یہ حضرت نہایت متبع
سنت اور پابندِ شریعت تھے اور کوئی بزرگ بھی ایسے نہیں
ہوئے جنھوں نے اتباعِ سنت نہ کیا ہو۔ حتیٰ کہ اگر غلبۂ حال
سے کبھی اتباع میں کچھ کمی بھی ہو گئی ہے تو اپنی اس حالت کو ناقص

سمجھا ہے. اور کبھی اس پر اصرار نہیں کیا۔ نہ کہ نعوذ باللہ اس کو قصداً اختیار کرتے، غرض یہ بالکل تہمت ہے کہ بعض بزرگوں کا طریق خلاف شریعت بھی رہا ہے. سب بزرگوں کا ایک ہی طریق رہا ہے اور وہ طریق شریعت ہے. ایک بزرگ فرماتے ہیں کل حقیقۃ ردته الشریعۃ فھی زندقۃ یعنی جس حال یا جس مقال کو شریعت رد کرے وہ بالکل الحاد اور زندقہ ہے۔

حضرت خواجہ عبداللہ انصاری فرماتے ہیں بر ہوا پری مگسے باشی، برآب روی خسے باشی، دل بدست آر کہ کسی باشی اگر بزور کرامت ہوا پر بھی اُڑو گے تو کیا ہے گویا مکھی ہو جاؤ گے کہ وہ بھی تو ہوا میں بلا تکلف اڑتی ہے، پانی پر چلو گے تو یوں سمجھو کہ ایک تنکا ہو گئے کیونکہ وہ بھی تو پانی کی سطح پر بہتا ہوا جاتا ہے، ہاں اپنے دل کو قابو میں کرو تب انسان بنو گے. اور اسی قسم کے بہت سے اقوال ہیں میری کتاب تعلیم الدین میں جمع ہیں اس میں دیکھ لیجئے

حضرت جنیدؒ سے کسی نے کہا کہ ایک قوم ہے جو یہ کہتی ہے نحن وصلنا فلا حاجۃ لنا الی الصلوٰۃ والصیام. ہم واصل ہو گئے ہیں لہذا ہمیں حاجت نہیں رہی نماز کی اور نہ روزہ کی۔

حضرتؒ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ صدقوا فی الوصول ولکن الی السقر۔ یہ تو وہ سچ کہتے ہیں کہ داصل ہو گئے ہیں لیکن جہنم داصل ہوئے ہیں، خدا واصل نہیں ہوئے۔ پھر ارشاد فرمایا ولو عشت الف عام لما ترکت من اورادی شیئاً الا بعذر شرعی۔ یعنی اگر ہزار برس بھی میں زندہ رہوں تب بھی نماز تو بڑی چیز ہے کیونکہ فرض ہے، وظیفے جو محض مستحب ہیں بلکہ بعض مستحب کے درجہ میں بھی نہیں، یہ بھی کبھی نہ چھوڑوں الا بعذر شرعی۔ ہاں کوئی عذر شرعی لاحق ہو جاوے تو مجبوری ہے۔ ورنہ کوئی وظیفہ تک بھی کبھی نہ چھوڑ دوں۔ چنانچہ حضرت جنید اخیر عمر تک ہاتھ میں تسبیح رکھتے تھے، دیکھئے وظیفہ تو وظیفہ تسبیح رکھنا تک بھی عمر بھر نہ چھوڑا۔ حالانکہ تسبیح کا رکھنا نہ سنت نہ مستحب کچھ بھی نہیں۔ نہ موقوف علیہ کسی وظیفہ کا نہ کسی وظیفہ کے لئے شرط، نہ منتہی ہو جانے کے بعد حضرت جنیدؒ کو اس کی حاجت باقی رہی تھی کیونکہ مبتدی کے لئے تو خیر وہ آلہ تذکر بھی ہو سکتی ہے منتہی تو تذکر میں راسخ ہو جاتا ہے اسی لئے منتہی کی شان میں لکھا گیا ہے، خلوت و چلہ بر دلازم نماند۔ مگر اس پر بھی حضرت جنید رحؒ نے اُس اپنی ابتدا کی حالت

کو بھی نہ چھوڑا۔ کسی نے عرض بھی کیا کہ حضرت اب تو آپ منتہی اور واصل اور کامل ہو چکے ہیں۔ اب آپ کو ہر وقت ہاتھ میں تسبیح لیئے رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ فرمایا ارے اس تسبیح ہی نے تو مجھے واصل بنایا ہے۔ اور اس درجہ تک پہنچایا ہے، پھر کیا اب اس رفیق کو چھوڑ دوں، اسی کی بدولت تو یہاں تک پہنچے کیا اسی کو رخصت کر دوں۔ اسی نے تو محبوب تک پہنچایا ہے۔ تو پھر یہ بڑی ناشکری ہے کہ آج اس کو جواب دے دو[ں]

اللہ اکبر کیسے تھے یہ حضرات۔ جناب یہ ائمہ طریق ہیں، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ناواقف تھے یا خشک ملا تھے۔ یہ لوگ بڑے بڑے عارف کامل اور عاقل گزرے ہیں۔ اُن کے یہ اقوال او[ر] افعال ہیں۔ حضرت جنیدؒ کی خدمت میں ایک شخص دس بر[س] رہا۔ چلتے وقت عرض کیا کہ حضرت میں نے اتنی مدت خدمت میں قیام کیا لیکن کبھی کوئی کرامت آپ کی نہیں دیکھی۔ میں نے سنا تھا کہ آپ بہت بڑے کامل ہیں اسی لیئے خدمت میں حاضر ہوا تھا کہ کچھ فیض حاصل کروں گا مگر اتنی مدت قیام کو گزر گئی کوئی کرامت آپ سے کبھی صادر نہ ہوئی، یہ سن کر آپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ جوش میں آکر فرمایا

کہ اچھا یہ بتلا جنید سے تو نے اس عرصہ میں کوئی فعل سنت کے خلاف ہوتے بھی کبھی دیکھا ہے، اس نے کہا نہیں۔ یہ بات تو نہیں دیکھی۔ اس پر آپ نے جوش میں آکر فرمایا کہ ارے پھر اس سے بڑھ کر جنید کی اور کیا کرامت ہوگی کہ اُس نے دس برس تک اپنے خدا کو ایک لمحہ کے لئے بھی ناراض نہیں کیا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا کرامت تو جنید کی دیکھنا چاہتا ہے، واقعی اس سے بڑھ کر کیا کوئی کرامت ہو سکتی ہے۔ حقیقی کرامت تو یہ ہی ہے۔ بڑی کرامت تو استقامت ہے۔ الاستقامۃ فوق الکرامۃ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ اور صراط اہل الکرامات نہیں فرمایا۔ خوب سمجھ لو شریعت کا اتباع کسی حال میں متروک نہیں۔ سب بزرگوں کا اس پر اتفاق ہے۔ حضرت عبد القدوس گنگوہی طریق چشتیہ کے کتنے بڑے شیخ اور صاحب حال و قال درویش ہیں۔ انہیں کے مکتوبات کو دیکھ لو۔ کوئی مکتوب اتباع شرع کی تاکید اور ترغیب سے خالی نہیں۔ غرض یہ طریقہ تھا بزرگوں کا۔ تو یہ معنی قلندر کے بالکل گھڑے ہوئے ہیں کہ نہ نماز ہو، نہ روزہ نہ ڈاڑھی ہو نہ مونچھ۔ غرض در اصل صرف دو اصطلاح صحیح

ہیں جن کی حقیقت کی تفصیل میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ ایک کتابی اصطلاح ہے ایک زبانی۔ ایک کتاب میں ہے اور ایک اگرچہ کتاب میں نہیں لیکن مستند حضرات کی زبان پر ہے چنانچہ حضرت عراقی نے بھی اپنے شعر میں اس دوسری ہی اصطلاح کو لیا ہے۔ اس اصطلاح میں خلاصہ طریق قلندر کا یہ ہے کہ وہ جامع ہوتا ہے اعمال اور محبت کا۔ عمل اور محبت کے تفاوت کی ایسی مثال ہے جیسے ریل گاڑی کا بدون بھاپ کے دھکیلنے سے چلنا اور جیسے بھاپ سے چلنا اگر انجن میں بھاپ نہیں ہے تو ریل ڈھکیلنے سے بھی چلے گی تو ضرور مگر کتنی زیادہ سے زیادہ دو چار یا آٹھ دس میل اور وہ بھی بمشکل۔ اور اگر انجن میں بھاپ ہے تو بس چھوٹتے ہی اڑ گیا۔ ساری گاڑیوں کو لے کر ہوا کی طرح۔ ولایتی ڈاک کی رفتار نہیں دیکھی، آخر اس میں کیا چیز زیادہ ہے۔ اس میں اور ایک ٹھیلہ گاڑی میں جس کو مزدور چلاتے ہیں کیا فرق ہے۔ بس یہ فرق ہے کہ ایک میں بھاپ ہے اور ایک میں بھاپ نہیں۔ ورنہ پہیے، مشین، گاڑیاں سب چیزیں ویسی ہی ہیں مگر فرق کیا ہے دونوں میں صرف بھاپ کا فرق ہے

اگر ولایتی ڈاک میں بھی بھاپ نہ رہے تو وہ بھی ٹھیلہ ہے
تو عمل مثل گاڑی کے ہے اور محبت گویا بھاپ ہے جو بمنزلہ
گاڑی کی روح کے ہے تو اصل چیز ریل میں بھاپ ہی ہوتی
ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ پہیئے توڑ کر رکھ دو۔ اگر پہیں
پہیئے توڑ کر رکھ دیئے تو بھاپ کا نہ ہونا تو پھر اتنا مضر بھی
نہیں لیکن ایسی حالت میں بھاپ کا ہونا ہی بس غضب ہے
دیکھو ریل کبھی پٹڑی پر سے اترتی ہے تو اس کی دو صورتیں
ہوتی ہیں۔ کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ ہاتھوں سے دھکیلتے ہوئے
لے جا رہے ہیں۔ زور کی آندھی آئی یا کوئی اور سبب ہو گیا
کہ پہیئے لین سے اتر گئے اب چونکہ اس وقت بھاپ کے زور سے
نہیں چل رہی ہے اس لئے لین سے بھی اترے گی تو زمین کے
اوپر ہی چلنے لگے گی اگر زمین سخت ہوئی ورنہ زیادہ سے زیادہ
یہ ہوگا کہ کھڑی ہو رہے گی اور اگر کہیں خدانخواستہ ایسا
ہوا کہ بھاپ کے زور سے اڑی چلی جا رہی تھی کہ پہیہ لین سے
اتر گیا تو بھاپ کی یہ برکت ہوئی کہ پہیئے زمین کے اندر گھس
گئے پرزے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ڈرائیور اور سواریاں سب
ہلاک ہو گئیں ایک قیامت برپا ہو گئی۔ تو بس بھاپ موجود

ہونے کی صورت میں اگر یہ لین پر رہی تب تو یہ مسافت کو نہایت سہولت اور امن و عافیت اور تیزی کے ساتھ قطع کرتی رہے گی۔ اور اگر کہیں لین کو چھوڑ دیا تو واللہ قیامت برپا ہو جاوے گی، مشین کا بھی۔ گاڑیوں کا بھی۔ چلانے والے کا بھی، مسافروں کا بھی سب کا نہس نہس ہو جاوے گا۔ تو اس مثال میں گویا تین حالتیں ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ بھاپ نہیں ہے لیکن لین پر ہے، اس صورت میں رفتار ضرور آہستہ ہوگی۔ لیکن خیر کوئی خطرہ بھی نہیں۔ دوسری حالت یہ ہے کہ بھاپ تو اس میں ہے لیکن لین پر نہیں ہے۔ یہ بس قیامت کا سامنا ہے اور ایک حالت ہے نورٌ علیٰ نور۔ وہ یہ کہ بھاپ بھی ہو اور لین پر بھی ہو۔ سبحان اللہ یہ ہے البتہ لطف۔ تو اے صاحبو جس نے اپنی ریل میں بھاپ تو پیدا کر لی لیکن اس کو لین پر سے اتار دیا واللہ وہ نہایت خطرناک حالت میں ہے اور وہ بھاپ کیا ہے وہ بھاپ ہے محبت جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ اور لین کیا ہے لین ہے صراطِ مستقیم شریعت کی یعنی جس نے محبت تو پیدا کر لی لیکن اعمالِ شریعت کو رخصت کر دیا وہ قطع طریق تو کیا کرتا۔ اور الٹا اس نے اپنے

آپ کو ہلاکت باطنی میں ڈال دیا اور جس نے محبت تو پیدا نہیں
کی لیکن عمل شریعت پر کرتا رہا تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے
بلا بھاپ کی ریل کو دھکیل رہے ہیں اول تو رفتار نہایت سُست
پھر جہاں دھکیلنا چھوڑ دیا بس رُک گئی۔ اس لئے یہ بھی کچھ نہیں
اے صاحب عمل کو اور محبت کو دونوں کو جمع کر لو۔ یہ البتہ ہوگی
وہ ریل جس میں بھاپ بھی ہے، پہیئے بھی ہیں اور لین پر بھی ہے
پھر دیکھو کیسی جلدی مسافت قطع ہوتی ہے۔ تو میں نے ریل
کی مثال میں جو یہ کہا تھا کہ بھاپ اصل چیز ہے اس کے یہ معنی
نہ تھے کہ پہیوں کی ضرورت نہ رہی۔ اسی طرح محبت کو جو میں
نے کہا ہے کہ اصل چیز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقط محبت
کافی ہے عمل کی حاجت نہیں بلکہ بھاپ کے اصل ہونے کے
معنی یہ ہیں کہ پہیوں کی تیزی کا ذریعہ یہی ہے۔ بغیر اس کے
رفتار میں تیزی ممکن ہی نہیں لیکن اگر سرے سے پہیئے ہی ندارد
ہوں تو نری بھاپ کیا کر سکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ وہیں
کے وہیں "سی سی۔ بھک بھک" ہوتی رہے۔ اسی لئے جس
میں محض جوش و خروش ہے اس میں سوائے اس کے کہ حق
حق اور الا اللہ الا اللہ کے نعرے لگا لیے اور بھی کچھ ہے نفع

کیا۔ اس سے غل شور تو بہت مگر ہیں وہیں جہاں پہلے تھے۔ تو نفع کیا اس جوش و خروش سے۔ یہ جوش و خروش تو ایسا ہی ہے جیسا اس ریل کا جس کے دخن میں آگ بھی دہک رہی ہے، بھاپ بھی بھری ہوئی ہے مگر کسر ہے تو کیا کہ پہیے ٹوٹ گئے ہیں۔ تو وہ بیچاری سوائے اس کے کہ کھڑی دھواں دیئے جاوے اور "ٹیں ٹاں" "ٹیں ٹاں" کیئے جاوے اور کیا کر سکتی ہے جہاں صبح تھی حضرت وہیں شام۔ اور جو گاڑی بے بھاپ کی چلی جارہی ہے اس میں شور و غل تو بہت نہیں مگر راستہ آناً فاناً قطع ہو رہا ہے۔ کاش جس گاڑی میں بھاپ بھی پہیے بھی درست ہوتے اور لین پر بھی ہوتی تب لطف تھا کہ ایک ساعت کلکتہ جا کر دم لیتی۔ اور اب تو نری بھاپ بالکل بیکار ہے۔ تو محبت کو جو میں نے اصل کہا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ اعمال کی تکمیل کا بلکہ خود اعمال کا بھی ذریعہ ہے۔ کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ بدون محبت کے اعمال کا صدور بھی ممکن نہیں حتیٰ کہ محبت ضعیف یعنی محبت کا ادنیٰ درجہ وہ ہے جس کو ارادہ کہتے ہیں اور یہ مسلم مسئلہ فلسفہ کا ہے کہ بلا ارادہ کے کوئی عمل وجود میں آ ہی نہیں سکتا۔ ہر عمل کے

لئے صدور سے قبل ارادہ کا متعلق ہونا شرط ہے تو محبت کا ادنیٰ درجہ ارادہ ہوا۔ مثلاً ہم نے حبیب جانا چاہا اور ارادہ کیا تو محبت ضعیف محقق ہو گئی کیونکہ چاہنے ہی کو تو محبت کہتے ہیں گو تڑپ نہ ہو۔ یہ تو ادنیٰ درجہ کی محبت ہوئی۔ جس کے بدون ادنیٰ درجہ کا عمل ہی صادر نہیں ہو سکتا اور اعلیٰ درجہ کی محبت یہ ہے کہ ؎

تو در و گم شو وصال این ست و بس ‖ گم شدن گم کن کمال این ست و بس

محبت میں گم ہو جانا ہی وصال ہے ‖ گم ہونے کو بھی بھول جانا ہی کمال ہے

ہائے کیا اچھا مضمون ہے ؎

تو در و گم شو وصال این ست و بس ‖ گم شدن گم کن کمال این ست و بس

گویا فنا کا درجہ جس کو کہتے ہیں وہ اعلیٰ درجہ ہے محبت کا یعنی تمام تعلقات غیر اللہ اس قدر مغلوب ہو جائیں کہ کوئی نہ معبود ہونے میں شریک رہے۔ جو حاصل ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اور نہ مقصود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا اور نہ سالک کے نظر میں موجود ہونے میں شریک رہے۔ جو حاصل ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ کا۔ جب

اسم فاعل کو معنی حال پر محمول کیا جاوے کما ہو احد الوجوہ فی التفسیر
پس اول ادنیٰ درجہ کی محبت پیدا ہوئی اس سے عمل ادنیٰ درجہ کا
ہوتا ہے۔ پھر اس عمل کی برکت سے محبت کا اس سے قوی درجہ
پیدا ہوتا ہے پھر اُس سے پہلے درجہ سے قوی عمل پیدا ہوتا ہے
اسی طرح سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ تو ترتیب یوں ہوئی کہ
اوّل محبت ضعیف سی ہوتی ہے جس کو ارادہ کہتے ہیں اُس
سے ایک عمل پیدا ہوا اور اس کے ساتھ اور بھی موئیدات کو
مدد کے لئے جمع کر لیا تو اس محبت میں اب ترقی ہوئی اُس
عمل کی برکت سے پھر اسی محبت زائد سے جو عمل پیدا ہوا اُس
سے اور محبت زیادہ پیدا ہوئی۔ پھر اس محبت سے اور عمل
پیدا ہوا پھر اس عمل کی اور برکت ہوئی۔ پھر اُس سے اور عمل
پیدا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ دونوں میں یہ ترتیب رہتی ہے کہ اول
محبت ضعیف پھر عمل ضعیف، پھر محبت زائدہ پھر عمل زائد
غرض ساری عمر یہ دونوں سلسلے چلتے رہتے ہیں کہ ہر عمل سے
محبت اور مزید محبت سے مزید عمل۔ غرض نہ اس سے استغنا
نہ اس سے۔ ان میں سے اگر ایک چیز بھی کم ہو گئی تو بس سارا
سلسلہ منقطع۔ تو حضرت یہ تو ساری عمر کا دھندا ہے کہ محبت

پھر عمل، پھر محبت، پھر عمل وعلیٰ ہذا۔ نہ اس سے کبھی فارغ نہ
اس سے کبھی مستغنی۔ یہ ہے گویا اصل اس طریق جامع بین المحبت
والعمل کا جس کو حضرت عراقیؒ نے اپنے شعر میں طریق قلندر سے
تعبیر کیا ہے۔ غرض ذہن میں یہ مضمون آیا تھا جو حضرت عراقیؒ
کے اس شعر میں مذکور ہے۔ جس کو میں نے اس وقت بیان
کرنے کے لیے اختیار کیا ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ کیا کوئی آیت
بھی اس مضمون کی ہے۔ سو الحمد للہ قرآن کی یہ آیت بھی ذہن
میں آگئی جس میں یہ ہی مضمون موجود ہے۔ اور یہاں سے
یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ تصوف کے اصول صحیحہ قرآن و
حدیث میں سب موجود ہیں اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف
قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ بالکل غلط ہے یعنی غالی صوفیوں
کا بھی یہی خیال ہے۔ اور خشک علماء کا بھی کہ تصوف سے
قرآن حدیث خالی ہیں مگر دونوں غلط سمجھے۔ خشک علماء تو
یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں۔ یہ سب واہیات ہے
میاں بس نماز روزہ قرآن حدیث سے ثابت۔ اسی ذکر یا شغل
یہ تصوف صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے تو گویا
ان کے نزدیک قرآن و حدیث تصوف سے خالی ہیں اور

غالی صوفی یوں کہتے ہیں کہ قرآن حدیث میں تو ظاہری احکام ہیں۔ تصوف علمِ باطن ہے ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن حدیث ہی کی ضرورت نہیں۔ غرض دونوں فرقے قرآن حدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں۔ پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوف کو چھوڑ دیا اور ایک نے قرآن حدیث کو۔ جنھوں نے قرآن حدیث کو چھوڑ دیا انھوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ قرآن حدیث تو محض ظاہری انتظام کی چیزیں ہیں درویشی کا ان سے کیا علاقہ میاں درویشی تو اور ہی چیز ہے جو باطن سے تعلق رکھتی ہے۔ اے صاحبو کیا غضب کرتے ہو، خدا سے ڈرو، اس کے متعلق میری ایک مستقل کتاب بھی ہے۔ اوّل تو الحمد للہ یہ بات کہ قرآن حدیث سارا البریز ہے تصوف سے ہر تصنیف سے ظاہر ہے، لیکن میں نے اس مضمون پر دو مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں، ایک تو حقیقۃ الطریقۃ جو مدت ہوئی مکمل ہو کر شائع ہو چکی ہے جس میں مسائل تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی گئی ہے اب ایک رسالہ مستقل اور بھی آج کل لکھ رہا ہوں جس میں صاف طور پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تصوف کے مسائل قرآن مجید

سے بھی ثابت ہیں۔ یاد قرآن یعنی آٹھ پارے تو ہو گئے ہیں بائیس پارے اور باقی ہیں خدا مدد فرمائے، یہ رسالہ دراصل عربی میں ہے، پھر خیال ہوا کہ ساتھ کے ساتھ اُردو میں بھی ترجمہ ہوتا جائے تو اچھا ہے چنانچہ ہو رہا ہے۔ اور وہ جو رسالہ ہے "حقیقۃ الطریقہ" وہ اصل ہی سے اُردو میں ہے تو ان دونوں کتابوں سے معلوم ہوگا کہ قرآن حدیث لبریز ہیں تصوف سے اور واقعی وہ تصوف ہی نہیں جو قرآن حدیث میں نہ ہو غرض جتنے صحیح اور مقصود مسائل تصوف کے ہیں وہ سب قرآن میں موجود ہیں۔ کوئی آیت شاید خالی ہو۔ جس میں ایک آدھ مسئلہ تصوف کا مذکور نہ ہو۔ چنانچہ اسی آیت کو دیکھئے جو اس وقت تلاوت کی گئی ہے۔ اس میں بھی تصوف موجود ہے۔ فرماتے ہیں یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ الیٰ آخر الآیات حق سبحانہ تعالیٰ اپنے دین کے محفوظ ہونے کی خبر دے رہے ہیں۔ کوئی یہ ناز نہ کرے کہ دین کا کام ہماری وجہ سے چل رہا ہے۔ اے ایمان والو اگر تم میں سے کوئی نعوذ باللہ دین سے پھر جاوے تو سرکاری کام بند نہ ہوگا۔ چاہے سدے ٹھیکہ دار اور مزدور استعفا دے دیں۔ جیسے دنیا میں سلطے

علے والے دفتر کا کام چھوڑ دیں تو حکام کو عین وقت پر پریشانی اور تکلیف ضرور ہوتی ہے اس واسطے کہ جب عملے والے سب مخالف ہو گئے نواب کام کس سے لیں۔ اسی طرح یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اگر نعوذ باللہ سب کے سب مسلمان مرتد ہو جائیں تو شاید اللہ میاں کو بھی سوچ ہو جیسے آج ہی ایک حکایت میں بیان کر رہا تھا کہ ایک نابینا حافظ نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم چار آدمی نماز پڑھ رہے تھے۔ تین مقتدی اور ایک امام امام صاحب کا وضو ٹوٹا انھوں نے مجھے خلیفہ بنایا اور خود وضو کرنے چلے گئے۔ اب ایک امام اور دو مقتدی رہ گئے۔ مقتدیوں میں سے ایک نے دوسرے سے نماز کے اندر ہی چپکے سے پوچھا کہ ارے یہ کیا ہوا۔ بیچارہ نے استخلاف امام کا مسئلہ کبھی سنا نہ تھا۔ دوسرا نصیحت کرتا ہے کہ ارے چپ رہ یوں بھی ہوا کرے ہے (ہوا کرتا ہے) یہ بڑے بوجھ بجھکڑ دکھے اب امام صاحب کی سنئے جو خلیفہ بنائے جانے کے لائق سمجھے گئے تھے۔ آپ فرماتے ہیں ارے اب میں کیسے نماز پڑھاؤں یہ دو ہی تو مقتدی تھے اور ان دونوں کی نماز بولنے سے فاسد ہو گئی۔ غرض اس نے بھی اپنی نماز تباہ کی تو دیکھئے ذرا

بات ہیں سب کی نماز رخصت ہوگئی یہاں کی نماز تو ایسی ہے
کہ جب مقتدی نہ رہیں تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اب
میں کسے نماز پڑھاؤں، اسی طرح اگر کسی بادشاہ سے ساری
رعایا باغی ہو جائے تو اب وہ کس پر سلطنت کرے یہاں کے
حکام تو ایسے ہیں کہ رعایا نے ہڑتال کردی تو بس ان کی حکومت
ندارد۔ اللہ میاں کو بھی شاید کوئی نعوذ باللہ ایسا ہی سمجھ
جاتا۔ سو اللہ میاں فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں یہ قصہ نہیں
دین سے پھر کر دیکھ لو۔ سب ایک دم سے باغی ہو جاؤ۔ اول تو
تمہارے پھر جانے سے ہمارا کوئی کام اٹکتا نہیں اور واقعی
اللہ میاں کا ہمارے ایمان اور نماز روزہ سے کیا نفع۔ مگر
خیر جیسا بھی کچھ کام ہو رہا ہے گو وہ بندوں کی ہی مصلحت
کے لئے ہو رہا ہے سو اس کے متعلق بھی خداوند تعالیٰ جل
جلالہٗ وعم نوالہٗ فرماتے ہیں کہ کسی کے مرتد ہونے سے وہ بھی
نہیں رک سکتا۔ یہی حاصل ہے اس آیت کا یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ اے ایمان والو میں تم میں
سے جو کوئی بھی اپنے دین سے پھر جاوے فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ
بِقَوْمٍ نزدیک ہی یعنی بہت جلد ایسی قوم کو اللہ میاں پیدا

فرما دیں گے جس کی ایسی شان ہوگی کہ یُحِبُّہُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ وہ اللہ میاں کو دوست رکھیں گے اور اللہ میاں ان کو دوست رکھیں گے دیکھیے سوف کے ساتھ فرماتے ہیں جو تقریب کے لئے آتا ہے یعنی فوراً، اور واقعی انھیں کیا ضرورت ہے کسی انتظام یا اہتمام کی ایک لفظ کن سے مولوی، شیخ، غوث، قطب، ابدال جو چاہیں بنا دیں اور جس کو چاہیں بنا دیں۔ چنانچہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے حضرت غوث اعظم کی ایک حکایت لکھی ہے، اُن کے خادم کی روایت ہے کہ ایک بار اخیر شب میں حضرت اُٹھے، خادم کہتے ہیں کہ میں سمجھا نماز تہجد کی تیاری کریں گے، چنانچہ میں بھی اُٹھا تاکہ حضرت کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ ویسے حضرت کو اپنے اُٹھنے کی اطلاع نہ ہونے دی۔ واقعی بزرگوں کی خدمت ہے بڑی مشکل انھوں نے جو کیا ٹھیک کیا۔ اطلاع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، کوئی احسان جتلانا تھوڑا ہی تھا۔ اب تو اگر کوئی خدمت کرتے ہیں تو جتلا کر کرتے ہیں۔ حالانکہ ادب کی بات یہ ہے کہ خیال اور نگرانی تو رکھے مگر خواہ مخواہ جا کر مزاحمت نہ کرے اور تنہائی میں مخل نہ ہو، خصوص اخیر رات میں تو بزرگ یہ چاہتے کہ نہ کوئی ہمیں وضو کے لئے پانی لا کر دے نہ استنجے کا ڈھیلا لا کر

دے بلکہ اس وقت تو یہ جی چاہتا ہے کہ کوئی سامنے بھی نہ آئے اپنے ہاتھ سے سب کام کریں کیونکہ وہ وقت ہی ایسا ہوتا ہے ؎

چہ خوش وقتے وخرم روزگارے کہ یارے برخورد از وصلِ یارے

کیسا اچھا وہ وقت ہوتا ہے کہ محبوب کے وصل سے عاشق بہرہ در ہو۔

بس اس وقت یہ جی چاہتا ہے کہ بالکل تنہائی کا عالم ہو بلکہ یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اپنے وجود کو بھی جی چاہتا ہے کہ یہ بھی نہ رہے خود اپنا وجود بھی حجاب معلوم ہوتا ہے، چنانچہ حضرت قلندرؒ جو اس موقع کے صاحبِ مزار ہیں اسی مضمون کو اپنے ایک شعر میں بیان فرماتے ہیں ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم + لیجئے اپنی آنکھ پر بھی غصہ ہے یہ کیوں دیکھتی ہے میں ہی تجھے دیکھنا اور ؎ گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن نہ دہم + میں ہی تیرا کلام سنتا یہ کان کیوں سنیں۔

واقعی صاحب یہی حالت ہوتی ہے۔ حضرت عارف شیرازی بھی اس مضمون کو فرماتے ہیں اور وہ تو قسم کھا رہے ہیں ؎

بخدا کہ رشکم آید ز دو چشم روشن خود که نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے

خدا کی قسم مجھے اپنی آنکھ پر بھی رشک آتا ہے اس واسطے کہ یہ اس کے حسنِ بے مثال کو دیکھنے کی اہل نہیں۔

آنکھ پر بھی رشک آتا ہے، سو وہ تو وقت ہی ایسا ہوتا ہے
کہ اپنے آپ کو بھی مٹانے کو جی چاہتا ہے اور اگر کوئی اپنا خادم
خاص بھی اس وقت پاس کھڑا ہو تو وہ بھی پسند نہیں آتا۔ اسی واسطے
مؤدب خدام یہ کرتے ہیں کہ پاس کو تو لگے رہے لیکن اس طرح کہ
اپنی موجودگی کی تو خبر نہ ہونے دی لیکن جب دیکھا کہ کوئی کام
مخدوم کے قابو کا نہیں ہے، فوراً حاضر ہو کر شریک ہو گئے۔
اور بعد فراغت پھر غائب، چنانچہ اُس خادم نے بھی ایسا ہی کیا
کہ خفیہ طور پر حضرت غوث پاک کے پیچھے پیچھے لگا رہا۔ ادھر
حضرت نے کچھ توجہ بھی نہیں کی کہ میرے ساتھ کوئی اور شخص
تو نہیں ہے۔ غرض حضرت اُٹھ کر خانقاہ سے نکل کر سیدھے شہر
پناہ کے پھاٹک پر پہنچے۔ حضرت شیخ کی برکت اور کرامت سے
شہر پناہ کا قفل خود بخود کھل کر گر گیا۔ حضرت کواڑ کھول کر شہر
سے باہر ہو گئے۔ چند ہی قدم چلے تھے کہ ایک بڑا بھاری شہر نظر
پڑا۔ حالانکہ بغداد کے قریب کوئی اتنا بڑا شہر کہاں۔ اب خادم
کو بڑی حیرت کہ یا اللہ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔ لیکن بولے نہیں
چپ چاپ ساتھ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ اس شہر کے اندر
داخل ہو کر ایک مقام پر پہنچے۔ وہاں ایک مکان تھا۔ اُس

کے اندر داخل ہوئے۔ اس میں چند آدمیوں کا ایک مختصر سا مجمع تھا اور ایک مسند پر تکیہ لگا ہوا تھا۔ جیسے کسی کی آمد کا انتظار ہو رہا ہو۔ حضرت شیخ کو دیکھتے ہی وہ لوگ تعظیم کے لیے اٹھے۔ اور حضرت کو مسند پر بٹھایا۔ پھر اشاروں سے کچھ عرض معروض کی جس کو حضرت ہی سمجھے، خادم کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اس کے بعد ایک طرف سے آواز کراہنے کی آئی۔ آہ آہ۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ آواز بند ہو گئی۔ پھر کچھ دیر بعد ایسی آواز آنے لگی جیسے پانی ڈالنے کی ہوتی ہے پھر وہ بھی بند ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک حجرہ کھلا اور اس کے اندر سے ایک جنازہ نکلا۔ جس کے ہمراہ چند آدمی تھے اُن میں ایک بوڑھے نورانی شکل کے بزرگ بھی تھے۔ حضرت شیخ کے سامنے جنازہ رکھا گیا، حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر وہ لوگ جنازہ کو لے گئے۔ ادھر یہ لوگ جنہوں نے حضرت شیخ کا استقبال کیا تھا پھر آ کر سب حضرت کے گرد بیٹھ گئے۔ اور اسی طرح اشاروں میں دوبارہ پھر کچھ عرض کیا۔ اس پر حضرت شیخ اسی وقت گردن جھکا کر مراقب ہوئے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک زنار دار شخص عیسائی لباس پہنے ہوئے حاضر ہوا۔ آپ نے اپنے دست مبارک

سے اس کا زنار توڑا اور کلمہ شریف پڑھا کر مسلمان کیا۔ پھر حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ یہ ہے۔ پھر حضرت اس جگہ سے اپنے مکان پر لوٹ آئے۔ خادم کو اسی ادھیڑ بن میں اور حیرت میں صبح ہو گئی کہ اے اللہ یہ کیا قصہ ہے۔ یہ حضرت کی خدمت میں کچھ سبق بھی پڑھتے تھے کیونکہ پہلے درویش اکثر عالم بھی ہوتے تھے تو چونکہ یہ خادم محض مرید نہ تھے بلکہ شاگرد بھی تھے اس لئے دل کھلا ہوا تھا کیونکہ یہ علاقہ استادی شاگردی کا بے تکلفی کا ہوتا ہے بہ خلاف پیری و مریدی کے تعلق کے کہ اس میں اتنی بے تکلفی نہیں ہوتی۔ چنانچہ انہوں نے رات کے واقعہ کے متعلق دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا معاملہ تھا۔ مجھے اس قدر حیرت ہے کہ میرے حواس درست نہیں۔ فرمایا کہ وہ شہر موصل تھا۔ جو بغداد سے بہت دور ہے۔ لیکن حق تعالیٰ نے میرے لئے اسے بالکل قریب کر دیا۔ اور طے ارض ہو گیا اور وہ مجمع جنھوں نے میرا استقبال کیا ابدال تھے۔ اور اُن ہی میں سے ایک ابدال قریب المرگ تھے۔ جن کے کراہنے کی آواز آرہی تھی۔ اور وہ بوڑھے نورانی شکل والے بزرگ جو جنازہ لے کر نکلے تھے وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اس جماعت نے باطنی طور پر

اطلاع دے کر مجھ سے دریافت کیا کہ اس کی جگہ کون ابدال مقرر کیا جائے۔ میں نے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف توجہ کی۔ ارشاد ہوا کہ قسطنطنیہ کے گرجا میں اس وقت ایک نصرانی صلیب کو پوج رہا ہے اس کو کر دیا جائے۔ چونکہ کافر تو کسی عہدۂ باطنی پر ہو نہیں سکتا جیسا آج کل لوگ سمجھتے ہیں کہ چمار چوڑھے بھی صاحب خدمت ہوتے ہیں۔ کیا اللہ میاں کو خدمت کے لئے مسلمان نہیں ملتے جو چوڑھوں چماروں سے کام لیں۔ سبحان اللہ اچھی قدر کی ولایت کی۔ خوب سمجھ لو کہ کافر ہرگز ولی نہیں ہو سکتا اگر کسی کافر کو ولی کرنا بھی ہوتا ہے تو اول اس کو اسلام کی توفیق دی جاتی ہے۔ چنانچہ اس نصرانی کے معاملہ میں بھی یہ ہی ہوا کہ قسطنطنیہ سے ایک دم میں زمین کی طنابیں کھینچ کر اس کو حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچایا گیا اور حضرت شیخ کی توجہ کی برکت سے کلمہ پڑھنے کے ساتھ ہی وہ رتبہ ابدالیت پر پہنچ گیا حالانکہ نہ کوئی مجاہدہ کیا نہ ریاضت۔ اسی کو تو کہتے ہیں حضرت مسعود بک ؒ مرشد چو کامل ست چلہ شد شد نشد نشد۔ لیکن یہ محض شاذ و نادر ہی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے ورنہ چکی ہی پیسنا پڑتی ہے۔ جو کچھ ملتا ہے چکی

ہی پینے سے ملتا ہے۔ خدا کے واسطے کہیں اس شاذ و نادر ہی پر نہ بیٹھ رہنا۔ شاذ و نادر پر بیٹھے رہنا تو ایسا ہے جیسے کوئی عورت اس بنا پر بے نکاح بیٹھی رہے کہ حضرت مریم علیہ السلام کے بھی تو بے مرد کے اولاد ہو گئی تھی یا کوئی مرد صاحب اس بھروسہ پر کسی عورت کو نکاح کے لئے تلاش نہ کریں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے حضرت حوا علیہ السلام بدون عورت ہی پیدا ہو گئی تھیں یہ میری پسلی سے بھی ایک ہوا (چھوٹی سی) نکل آئے گی۔ یہ دونوں بالکل احمق ہیں۔ میاں خدا نے ایک دفعہ یوں بھی کر دیا کہ بلا نکاح کے عورت کو اولاد دے دی۔ اور ایک مرتبہ یہ بھی قدرت دکھلا دی کہ مرد کی پسلی سے عورت پیدا کر دی۔ اب یہ تو نہیں کہ روز روز ایسا ہی ہوا کرے اور لوگ اس شاذ و نادر ہی کے منتظر بیٹھے رہیں۔ نہ عورت مرد سے نکاح کرے۔ نہ مرد عورت کی فکر کرے آج کل یہ عجب واہیات ہے کہ طالبین شاذ و نادر پر بیٹھے رہتے ہیں کہ پیر ایک نظر کر دے گا تو بس بیڑا پار ہو جائے گا۔ اور خود کچھ کرتے کراتے نہیں کیوں جی وہ تمہارے باوا

کا نوکر تو ہے نہیں. اگر نظر نہ کرے تو کیا کر لو گے. یہ کیا بے وقوفی کی بات ہے. نیز اس کے قبضہ کی بھی تو بات نہیں اگر کسی کے اختیار میں ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کے قلب میں ضرور اسلام ڈال دیتے. بھائی بلا کام کیے بھی کہیں کامیابی ہوتی ہے اصل طریق تو یہ ہی ہے کہ ؎

کار کن کار بگذار از گفتار | کاندریں راہ کار باید کار
کام کر کام. زیادہ بولنا چھوڑ | کہ اس راہ میں کام ہی کام کرنا چاہیے

قدم باید اندر طریقت نہ دم | کہ اصلے ندارد دمے بے قدم
طریقت میں عمل چاہیے نہ کہ خالی دم | اس واسطے کہ بغیر عمل کے باہر کوئی چیز نہیں

نری آرزوؤں اور ہوسوں سے کام نہیں چلتا. اسی کو کہتے ہیں ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال | صد سال می تواں بہ تمنا گریستن
اے عرفی اگر رونے سے اس کا دیدار ہو سکتا | تو ساری عمر اس کے دیدار کی آرزو میں روتے رہتے

تو کیا ہوتا ہے نری آرزوؤں اور تمناؤں سے. کام تو کام کرنے ہی سے ہوتا ہے. اور کام بھی ایسا جس میں کام ہی کو ثمرہ سمجھا جاوے گو اور کوئی ثمرہ نہ ملے. جب کام اور ثمرہ ایک ہی چیز

ہے تو بدون کام کئے ثمرہ کا حصول چہ معنی۔ جب کام نہیں تو ثمرہ بھی نہیں کیونکہ ثمرہ تو وہی کام تھا۔ حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد　　یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یاتن بہ رضائے دوست می باید داد　　یا قطعِ نظر زیار می باید کرد

ثمرات میں ناکامی کی شکایت کرنے والوں سے کہتے ہیں کہ میاں ان حکایات شکایات کے دفتر کو تو طے کرو۔ زیادہ قیل و قال کی حاجت نہیں، ہم تو ایک مختصر سی بات کہتے ہیں کہ بس ان دو کاموں میں سے ایک کام کو اختیار کر لو۔ یا تو یہ کرو کہ جس بات میں محبوب حقیقی راضی ہو خواہ وہ ناکامی ہی کیوں نہ ہو اس پر راضی رہو یعنی کام ہی کو ثمرہ سمجھو کیونکہ یہ تسلیم و رضا جب ہی ہو سکتی ہے جب کہ عطائے حق کو کہ توفیقِ عمل ہے ثمرہ سمجھے اور اگر یہ پسند نہیں اور اس سے تم خفا ہوتے ہو تو بھائی سیدھی بات یہ ہے کہ پھر اپنے لئے کوئی دوسرا خدا ڈھونڈ لو اس خدا کو چھوڑ دو۔ یہ حضرت سرمد نے خوب دو ٹوک بات کہی۔ واقعی یہ مجذوبوں والی ہی بات ٹھیک ہے کہ ؎

یاتن بہ رضائے دوست می باید داد　　یا قطعِ نظر زیار می باید کرد

غرض کام ہی کو مقصود سمجھ کر اس میں لگا رہے کام کر کے بھی ثمرات کی توقع رکھے۔ ایں خیال ست و محال ست و جنوں۔ بہر حال کام کرنا چاہیے کہ ثمرات بھی حسب سنت اللہ کام ہی سے ملتے ہیں۔ لیکن کبھی خدا تعالیٰ اپنی یہ قدرت بھی دکھلا دیتے ہیں کہ بلا اسباب بھی اپنی قدرت سے پیدا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں بھی اپنی ایسی ہی قدرت کا بیان فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ یعنی تمہارے مرتد ہو جانے سے خدائی کام میں کچھ فتور واقع نہ ہوگا۔ جیسے کوئی یہ غلط قیاس کر لے کہ ساری رعایا کے باغی ہو جانے سے سلطنت کا کام نہیں چل سکتا۔ تو خدا کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ وہ کسی کے مجبور نہیں۔ ان کی ذات قادر مطلق ہے۔ دم میں جو چاہے کر دیں فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ عن قریب ایک ایسی قوم پیدا کر دیں گے جس کی شان ایسی ایسی ہوگی۔ آگے اس کی حالت کا بیان ہے يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ الخ۔ تو اس موقع پر جس قوم کا ذکر فرمایا ہے وہ قوم ظاہر ہے کہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔ اس واسطے کہ مقابلہ کے موقع پر سنا رہے ہیں کہ بجائے تمہارے ان کو تیار فرما دیں گے تو لازمی طور پر وہ قوم ایسی ہونی چاہیے

جو ہر طرح کامل اور اعلیٰ درجہ کی ہو۔ تاکہ مرتد ہونے والوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے پھرنے ہٹنے سے کیا ہوا۔ ہماری جگہ دوسری قوم ہم سے بھی بڑھ چڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئی۔ تو گویا اس قوم کا اعلیٰ درجہ کی صفات سے متصف ہونا خود سیاق کلام سے ثابت ہوتا ہے۔ غرض جو صفات اس مقام پر مذکور ہونگی وہ نہایت عظیم الشان اور قابلِ اعتبار ہونگی۔ اب اُن صفات کو سنیئے کہ وہ کیا ہیں۔ سب سے اول جو صفت بیان کی گئی وہ یہ ہے کہ یُحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ یعنی خدا کو ان سے محبت ہوگی اور ان کو خدا سے۔ دیکھیے حضرت سب سے پہلے حق تعالیٰ نے یہی صفت بیان فرمائی کہ وہ لوگ اہلِ محبت ہوں گے۔ اس تقدیم ذکر سے صفت محبت کا سب سے زیادہ مہتم بالشان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسی سے میں نے استدلال کر کے یہ عرض کیا تھا کہ بس دین میں محبت ہی اساس ہے۔ راس ہے۔ جڑ ہے۔ اصل ہے۔ اور بنیاد ہے۔ جب یہ بات ہے تو اے صاحبو آپ نے کیا کوشش کی اپنے اندر محبت پیدا کرنے کی۔ نمازی بھی ہو گئے۔ روزہ دار بھی ہو گئے حاجی بھی ہو گئے مگر محبت جو اصل چیز ہے آخر اس کی بھی کچھ کوشش کی۔ کچھ بھی نہیں، کوشش تو کیا اور الٹا یہ کیا ہے کہ

جو محبت والے ہیں اُن پر ہنستے ہیں۔ ان کو پاگل اور مجنوں اور نہ جانے کیا کیا خطاب دے رکھے ہیں۔ اور ان کی بھی بڑی کوتاہی ہوگی۔ اگر وہ پاگل اور مجنوں لقب سن کر برا مانیں۔ کچھ خبر بھی ہے یہ لقب تو بہت بڑا ہے۔ ارے یہ تو ایسا لقب ہے کہ اس کو سن کر تمہیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے نہ کہ بُرا مانو۔ کیونکہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مخالف بھی تمہارے اعلیٰ درجہ کے محبِ خدا و رسول ہونے کی شہادت دینے لگے۔ بات یہ ہے کہ مخالف یہ لقب اسی کو دیتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کا محب ہو اور اس کا راز یہ ہے کہ جو شخص اعلیٰ درجہ کا محب ہوتا ہے اُس کے افعال عقلِ معاش اور دنیوی مصلحتوں کے خلاف ہونے لگتے ہیں اور یہی تو وجہ ہے کہ جو لوگ محض عقلِ معاش رکھتے ہیں وہی ایسے شخص کو مجنوں اور بے وقوف کہتے ہیں اور یہ لقب بہت پرانا ہے چنانچہ کلام مجید اس پر شاہد ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ دیکھئے حضرات صحابہ کو جو اعلیٰ درجہ کا ایمان رکھتے تھے منافقین نے نعوذ باللہ سفہاء کا لقب دے رکھا تھا۔ کیونکہ وہ حضرات اپنے سب اعزہ و اقربا کو چھوڑ کر اور مال و متاع کو خیرباد کہہ کر ایمان لائے تھے۔ جو بظاہر

عقلِ معاش کے بالکل خلاف تھا۔ اسی لئے منافقین کہتے تھے کہ ان کی عقل ماری گئی ہے کہ اپنا اتنا بڑا نقصان کر کے ایمان لائے ہیں۔ یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے۔ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح یہ بے وقوف ایمان لے آئے ہیں۔ تو دیکھئے ان احمقوں نے حضرات صحابہ کو بھی نعوذ باللہ بے وقوف بتایا۔ اس زمانہ میں بھی یہی حال ہے۔ ہمارے قصبہ میں ایک شخص نومسلم ہیں وہ پہلے بہت امیر کبیر گھرانے کے تھے جب وہ مسلمان ہو گئے تو ظاہر بات ہے کہ پھر ظالم لوگ بھلا وہ دولت و ثروت ان کو کہاں دیتے۔ بیچارے ہمارے بھائی کے یہاں دس بارہ روپیہ کے نوکر ہیں۔ یا تو خود صاحبِ جائداد تھے یا اب نوکری کرتے ہیں اور اپنا پیٹ پالتے ہیں مگر جس جگہ نوکر ہیں وہاں پر ہیں بہت عزت اور آرام کے ساتھ۔ جس جگہ کے رہنے والے ہیں وہاں ایک مرتبہ کسی کام سے اُن کا جانا ہوا۔ وہاں اُن کے عزیز قریب سب ہی ہیں مگر اب اُن سے کیا علاقہ۔ لہٰذا وہ جا کر کسی موقع پر ٹھہر گئے۔ اُن کے عزیز قریب سب ملنے آئے اور اُن کی بڑی خاطر کی۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ میں لیٹا ہوا تھا اور وہ لوگ بھی پاس بیٹھے تھے وہ سمجھے کہ یہ سو رہا ہے اور میں جاگ

رہا تھا۔ ایک بولا۔ ارے سُنا ہے یہ بڑے آرام میں ہے۔ ایک شیخ کے یہاں کارندہ ہے اُس کی بہت بڑی حویلی ہے۔ نوکر چاکر گائے بھینس سبھی کچھ ہے اور یہ سب پر حکومت کرتا ہے بڑی عزت ہے۔ بڑے مزہ میں ہے۔ دوسرا بولا کہ بھائی سب کچھ سہی مگر اس نے کی بہت کھوٹی بات (یعنی بُری بات) کہ اپنے عزیز قریب بیوی بچے سب چھوڑ دیئے اور مسلمان ہو گیا لیجئے یہ اُن کو لقب ملا۔ تو سمجھنے کی بات ہے کہ باپ بھائی جلدا بیوی سب کو چھوڑ دینا آسان کام نہیں۔ ان کی پہلی بیوی مسلمان نہیں ہوئی وہ اب بھی موجود ہے اور اب بھی کبھی کبھی جب ساس نندوں سے پریشان ہوتی ہے ان سے کہلا بھیجتی ہے کہ تم میری مدد نہیں کرتے۔ اب بھی اتنا پُرانا ہے۔ بہر حال انہیں بے وقوف اس بناء پر قرار دیا کہ عزیز قریب سب کو چھوڑ دیا اور ایمان کے مقابلے میں کسی چیز کی پرواہ نہ کی تو صاحب یہ شان ہوتی ہے اعلیٰ درجے کے محب کی۔ اور یہ لقب اس کو ملتے ہیں۔ اور لیجئے سب سے بڑھ کر عاقل سید العقلاءؑ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور کو بھی کفار نعوذ باللہ مجنوں کہتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جا بجا اُن کے یہ

اقوال موجود ہیں ام یقولون بہ جنہ ویقولون انہ لمجنون اور خدا تعالےٰ نے اس کی نفی فرمائی ہے مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ گویہ احتمال بھی ہے کہ اور کچھ تو بن نہ پڑتا تھا محض جل کر یہ کہہ دیتے ہوں. کوئی اور منشا نہ ہو اس قول کا مگر یہ ظاہر کے خلاف ہے. چنانچہ شاعر اور ساحر بھی تو کہتے تھے تو وہ لوگ تینوں لقب حضور پر اطلاق کرتے تھے یعنی شاعر ساحر اور مجنوں اور شاعر اور ساحر کا منشا نہیں معلوم ہے چنانچہ میں ابھی عرض کروں گا جب دو کا منشا معلوم ہے تو ظاہر یہ ہے کہ تیسرے لقب کا منشا بھی ضرور ہوگا. شاعر اور ساحر کہنے کا منشا سنئے وہ ایسا ہے جیسا کسی نے کہا ہے کہ معشوق من است کہ نزدیک تو زشت است. شاعر اور ساحر اس لیے کہتے کہ حضور کے کلام مبارک میں ایسا اثر تھا کہ جب کفار سنتے تھے تو ان کے خیالات میں عظیم الشان تبدیلی واقع ہو جاتی تھی. پس طرز بیان کی تاثیر کو شاعری اور مضمون کی تاثیر کو ساحری کہتے تھے اسی لیے کوششیں کرتے تھے کہ کسی طرح لوگ حضور ؐ کا کلام نہ سنیں چنانچہ ڈرتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو ان کا کلام مت سنو لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ. خبردار قرآن مت سننا بس

اس کا سننا ہی غضب ہے۔ وَالْغَوْفِیْہِ اور اگر وہ پڑھنے ہی لگیں تو
تم شور و غل مچانا گڑبڑ کرنا شروع کر دو لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ
شاید اسی سے جیت جاؤ (اس طرح سے کہ وہ مجبور ہو کر خاموش
ہو جائیں) یہ تہذیب تھی ماشاء اللہ۔ غرض وہ بہت ہی ڈرتے
تھے کہ یہ تو شاعر اور ساحر ہیں ان کا کلام سنا نہیں اور اثر ہوا نہیں
بس اسی واسطے شاعر اور ساحر کہتے تھے۔ غرض کلام کی قوتِ تاثیر
ان کا منشا تھا۔ اسی طرح مجنوں جو کہتے تھے تو اس کا بھی ایک
منشا تھا۔ وہ یہ کہ حضور نے حق کے مقابلے میں ساری دنیا کی
مصلحتوں کو چھوڑ دیا یعنی ان بے وقوفوں کے نزدیک نعوذ
باللہ حضور نے یہ عقل کے خلاف بات کی۔ چنانچہ سب نے
مل کر ایک بار حضور کی خدمت اقدس میں ایک سفیر بھیجا۔ جو
حاضر ہو کر آپ کی خدمت میں منافع و مصالح پیش کرے اس
نے آ کر عرض کیا اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اگر آپ سردار بننا
چاہتے ہیں تو ہم لوگ سب آپ کو بخوشی اپنا سردار بنا لیں کیونکہ
آپ نہایت شریف النسب ہیں۔ آپ جس قبیلہ میں پیدا ہوئے
وہ حسب نسب میں سب سے بڑھ کر ہے۔ آپ کو اپنا سردار
بنا لینے میں ہم کو کوئی عار نہیں۔ مگر ہمارے بتوں کو برا نہ کہیے

اگر آپ عورتیں چاہتے ہیں تو قریش کی ساری لڑکیاں حاضر ہیں ایک سے ایک حسین موجود ہے، جتنی چاہیں پسند کر لیجیے اپنی بہنیں اور لڑکیاں آپ کے نکاح میں دینا ہمارے لیے فخر ہے بلکہ انھیں خود آپ کی لونڈیاں بننا باعث عزت ہے۔ اور اگر مال کی خواہش ہے تو ہم ابھی ایک بڑا خزانہ آپ کے لیے فراہم کر دیں بس آپ قرار اور سکون سے بیٹھے رہیئے۔ اور ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیجیے۔ جب سفیر یہ باتیں کہہ چکا تو آپ نے بجائے جواب کے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر سورہ حٰم سجدہ کا شروع کا حصہ تلاوت فرمایا حٰمٓ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ الیٰ آخر الآیات اور اس کی یہ حالت تھی کہ بالکل ساکت و صامت تھا۔ جیسے کہ نقش دیوار جب حضور نے پڑھتے پڑھتے یہ آیت تلاوت فرمائی فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ تو گھبرا کر کہنے لگا بس کیجیے بس کیجیے اب سننے کی تاب نہیں۔ اس قدر اثر ہوا کہ سنا نہیں گیا اور اٹھ کر بھاگا اور بھاگ کر اپنے ساتھیوں میں پہنچا جنھوں نے اسے بھیجا تھا یعنی ابوجہل وغیرہ۔ وہ سب منتظر بیٹھے

تھے۔ ابو جہل بڑا ذہین تھا۔ اس نے دور ہی سے دیکھ کر تاڑ لیا
کہا کہ بھائی یہ گیا تو تھا اور چہرہ سے اور آرہا ہے اور چہرہ سے
ایسا شریر تھا کہ دور ہی سے پہچان گیا کہ ارے یہ تو کچھ ڈھیلے
ڈھیلے گھٹنوں سے آرہا ہے اس کے چہرہ کا تو رنگ ہی بدلا ہوا ہے
گیا تھا اور چہرہ سے آرہا ہے اور چہرہ سے جب پاس پہنچا تو سب
نے پوچھا کہ ارے یار کہہ تو سہی کیا گزری۔ اس نے کہا اجی کیا
پوچھتے ہو جب میں سب باتیں ختم کر چکا تو انہوں نے ایک
ایسا کلام پڑھا کہ واللہ اگر میں وہاں تھوڑی دیر اور بیٹھا رہتا
تو سخت اندیشہ تھا کہ کوئی بجلی میرے اوپر آگرتی۔ کیا پوچھتے
ہو کیا کیفیت تھی اثر کی۔ جب انھوں نے یہ کہا کہ میں تم کو ایک
ایسی کڑک سے ڈراتا ہوں جیسی کہ عاد اور ثمود پر گرائی گئی تھی
تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ بس اب بجلی گری۔ خدا جانے کیا کلام تھا اور
کس غضب کا اس میں اثر تھا۔ واللہ اگر اور تھوڑی دیر بیٹھوں
اور سنوں تو بجز اس کے کہ مسلمان ہو جاؤں اور کوئی صورت نہ
تھی بمشکل سے اپنا پیچھا چھڑا کر آیا ہوں، تو یہ حال تھا حضور
کے اثر کا۔ چونکہ وہ لوگ رات دن دیکھتے تھے کہ یہ الٹ پلٹ
کر دیتے ہیں ایک جلسہ میں تمام قوموں کو دو قوموں جمع ہے قوم

کی مناسبت مقابلہ لفظ جلسہ۔ جامع ۱۲) اس واسطے حضورؐ کو
نعوذ باللہ شاعر اور ساحر کہتے تھے۔ جب اس قوم نے دیکھا کہ
حضورؐ کو سرداری مل رہی ہے وہ نہیں لیتے۔ اونٹ مل رہے
ہیں وہ نہیں لیتے۔ مال مل رہا ہے وہ نہیں لیتے۔ حسین حسین
عورتیں مل رہی ہیں وہ نہیں لیتے تو وہ نامعقول سمجھے کہ بھلا
یہ کونسی عقل کی بات ہے۔ جب دنیا کی ساری نعمتیں مل رہی
ہیں تو پھر خواہ مخواہ انکار ہے۔ عقل کی بات تو یہ ہے کہ یہاں
جب اتنا چندہ اور روپے مل رہے ہیں تو لیلو کام آویں گے
احمقوں نے اپنے اوپر قیاس کیا حضورؐ کو۔ ایک مقام پر
میری ایک انگریز جو کہ جنٹ تھا اس کی خواہش پر ملاقات ہوئی
دورانِ گفتگو میں اس نے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے۔ آپ نے قرآن
شریف کی تفسیر لکھی ہے۔ میں نے کہا ہاں صاحب لکھی ہے۔
تو آپ کیا کہتے ہیں۔ آپ کو کتنا روپیہ ملا۔ میں نے دل میں
کہا کہ واہ وا بس یہ ہے آپ کا مبلغ پرواز اور مطمحِ نظر۔ جب
میں نے کہا کہ کچھ بھی نہیں ملا تو بڑے تعجب سے پوچھا کہ آپ
نے اتنی بڑی کتاب لکھی اور کچھ بھی نہ ملا تو پھر کیا فائدہ ہوا
اتنی محنت ہی پھر کیوں کی۔ اُس کے نزدیک جسے روپیہ نہ ملے

وہ کوئی دین کا کام ہی نہ کرے۔ خیر میں نے اسی کے مذاق کے موافق اسے سمجھایا۔ میں نے کہا کہ اس سے مجھے دو فائدے ہوئے ایک تو یہ کہ علاوہ اس زندگی کے ہم مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق ایک دوسری زندگی بھی ہے جس کو ہم لوگ آخرت کہتے ہیں وہاں ایسے کاموں کا عوض ملنے کی ہمائیں توقع ہے اور دوسرا فائدہ دنیا کا بھی ہے وہ یہ کہ میں نے جو یہ تفسیر لکھی ہے۔ اپنے بھائی مسلمانوں کے فائدہ کے لیے لکھی ہے اور یہ ایک قومی خدمت ہے۔ جب میں اس تفسیر کو اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں دیکھتا ہوں تو مجھے اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ میری قوم کو اس سے نفع پہنچ رہا ہے۔ چونکہ یہ تقریر اس کے مذاق کے موافق تھی اس کو سن کر اس کی نظر میں میری بڑی وقعت ہوئی۔ تو جو دین ہے اور جاہ کو مقصود سمجھے گا تو وہ ضرور ایسے شخص کو کہے گا کہ یہ بڑا بے وقوف ہے کہ اس نے محض دین کے لیے اپنا جاہ مال سب برباد کر دیا۔ ہمارے ایک دوست نے ناجائز ہونے کی بنا پر ڈپٹی کلکٹری چھوڑ دی ہے (یہ واقعہ ضابط وعظ کا ہے) تو اب سب لوگ انھیں لتاڑتے ہیں کہ عقل ہی ماری گئی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ تمھاری

ہی عقل ماری گئی ہے جو اس کو خلافِ عقل کہتے ہو۔ او ست دیوانہ کہ دیوانہ نشد۔ جو لوگ جاہ اور مال ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اور جنہوں نے فقط دنیا ہی کو اپنا قبلۂ توجہ بنا رکھا ہے ایسوں پر ہنستے ہیں لیکن اگر وہ ہم پر ہنستے ہیں تو ہم ان پر ہنستے ہیں فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ کَمَا تَسْخَرُوْنَ ط حضرت نوح علی نبینا علیہ الصلٰوۃ والسلام نے جب حسب ارشاد خداوندی کشتی بنائی تو ان کی قوم ان پر ہنستی تھی، کوئی پوچھتا کہ یہ کشتی کیوں بنائی جا رہی ہے آپ فرماتے ایک بڑا سخت طوفان آنے والا ہے اس وقت یہ کام آوے گی۔ لوگ یہ سن کر کہتے کہ قحط تو پڑ رہا ہے اور آپ کو طوفان کی سوجھ رہی ہے۔ لوگ ان پر ہنستے کہ بس نبوت تو ختم ہوئی اب نجاری شروع کی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نہایت متانت سے فرماتے اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ کَمَا تَسْخَرُوْنَ ط فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ط تم اس وقت ہم پر ہنستے ہو ہم اس وقت تم پر ہنستے ہیں اس میں تو دونوں برابر کل فرق معلوم ہوگا کہ کس پر عذاب آتا ہے اور کون ذلیل ہوتا ہے۔ تو لوگ احمق ہوئے ہیں جو ایسوں کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔ ایک بزرگ

تھے حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی۔ قصبہ رام پور کے ایک رئیس کے بیٹے ان کے مرید ہو گئے۔ یعنی حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں آنے جانے لگے۔ ان کے فیض صحبت سے اُن کی حالت بدل گئی دنیا کی طرف سے بے رغبتی اور آخرت کی جانب رغبت پیدا ہو گئی۔ اُن کے باپ کے پاس ایک دفعہ کچھ گنوار آئے۔ اور کہنے لگے کہ تمہارے (یعنی تمہارے) بیٹے کا بڑا افسوس ہے فقیر ہو گیا۔ وہ بولے خیر بھائی تو ایک گنوار کیا کہتا ہے۔ اجی بری صحبت ایسی ہی ہوے ہے (یعنی ہوتی ہے) جب ہی تو بڑے بوڑھے بری صحبت سے منع کریں ہیں (کرتے ہیں) دیکھو نہ بگڑ گیا۔ فقیر ہو گیا۔ تو گویا بے وقوف نے دینداروں کی صحبت کو بری صحبت سمجھا۔ استغفر اللہ

ان ہی حضرت حافظ صاحب کا ایک اور واقعہ ہے۔ کوئی نوجوان شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔ اس کی حالت بدلنے لگی۔ ایک بار اس کا باپ حاضر ہو کر نہایت بے باکی سے کہنے لگا کہ جب سے میرا بیٹا آپ کے پاس آنے لگا بگڑ گیا۔ حضرت تھے بڑے جلالی۔ فرمایا اپنے بیٹے کو ہمارے پاس نہ آنے دو روکو۔

دو. ہمارے پاس جو کوئی آئے گا ہم تو اُسے بگاڑیں ہی گے. جس
کو لاکھ مرتبہ غرض ہو اور بگڑنا چاہے وہ ہمارے پاس آئے. ہمیں
تو بگاڑنا ہی آتا ہے. ہمیں بھی تو کسی نے بگاڑا ہی ہے. ہم نے تو
اپنے پیر سے بگاڑنا ہی سیکھا ہے. اجی جو بگڑنے سے ڈرے وہ
ہمارے پاس آئے ہی کیوں. ایسے کے پاس جائے جسے سنوارنا
آتا ہو. ہمیں تو بگاڑنا ہی آتا ہے. اللہ اکبر ایک شخص کی جیب میں
کوڑیاں تھیں اس نے اُن کو نکال کر پھینک دیا. اور ان کی جگہ
اشرفیاں بھر لیں تو کیا وہ بے وقوف ہے. وہ ہرگز بے وقوف
نہیں. البتہ جو لوگ اشرفیوں کی قیمت سے واقف نہیں وہ
کوڑیاں پھینکتے وقت اسے ضرور بُرا بھلا کہیں گے. کہ لو جی بھری
ہوئی جیب ہی خالی کر دی. ارے تمھیں کیا خبر اس نے کوڑیوں
سے جیب خالی کر کے اشرفیوں کے لیے جگہ کی ہے. اگر ایک شخص
کے پاس ایک لاکھ روپیہ موجود ہے اُس سے کوئی کیمیا سکھانے
والا کہے کہ مجھے ایک لاکھ روپیہ دے دو میں کیمیا بنانا سکھا دوں گا
اور وعدہ کرنے والا نہایت معتبر ہو تو وہ فوراً لاکھ روپیہ
دے دے گا. پھر اس نے ایک لاکھ روپیہ لے کر کیمیا سکھلا دی
تو اب وہ سیکھنے والا اس قدر خوش ہے کہ پھولا نہیں سماتا۔

اُسے اس کا مطلق افسوس نہیں کہ میں نے ایک لاکھ روپیہ کیوں دے دیا بلکہ وہ زبانِ حال سے کہتا ہے ؎

بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم	جہاں دادم جہاں خریدم
خدا کا شکر ہے کہ بہت سستی خریدی	چند سکوں کے عوض زندگی خریدلی

مگر اس کا پڑوسی جو کیمیا کا قائل اور اس فن کو جانتا نہیں۔ وہ اسے بے وقوف بناتا ہے کہ میاں تم بھی بڑے احمق ہو ایک لاکھ روپیہ یوں ہی دے دیا۔ اتنی بڑی رقم فضول ہی ضائع کر دی۔ جب وہ کہتا ہے کہ بھائی میں نے یہ رقم ضائع نہیں کی بلکہ اس کے بدلے کیمیا بنانا سیکھ لیا ہے تو کہتا ہے جاؤ میاں بیٹھو بھی بے وقوف ہوئے ہو۔ کیسی کیمیا۔ لاکھ روپیہ دے دیا ایک وہمی اور فضول سی چیز کیمیا کے لئے۔ یہ حضرت صرف لاکھ ٹیلے کو رو رہے ہیں مگر وہ ایک ہی دن میں لاکھ روپیہ بنا لے گا بلکہ جسے کیمیا بنانا آتا ہے وہ دل کا اس قدر غنی ہو جاتا ہے کہ اسے بنانے کی بھی ضرورت نہیں رہتی، وہ ہر وقت مطمئن ہے کہ جب چاہوں گا اور جتنا چاہوں گا لاکھ دو لاکھ بنا لوں گا۔ تمہیں کیا خبر کہ جس نے مال اور جاہ کو چھوڑا ہے اسے کیا کیمیا مل گئی ہے ؎

کیمیائیست عجب بندگیٔ پیرِ مغاں خاکِ او گشتم و چندیں درجاتم دادند
دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند واندراں ظلمتِ شب آبِ حیاتم دادند

پیرِ مغاں کی بندگی (غلامی) ایسی اچھی کیمیا ہے کہ جس کے ذریعہ خاک ہو کر میری قدر اور مرتبہ بڑھ گیا۔

کل صبح کے وقت مجھ کو میرے نفسِ امارہ سے چھٹکارا دلایا۔ اور اندھیری رات میں مجھے آبِ حیات بخشا۔

یہ ہے وہ کیمیا اور وہ دولت جو حاصل ہوتی ہے اور جس کے حصول کے بعد جوش میں آکر یہ کہتے ہیں ؎

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند واندراں ظلمتِ شب آبِ حیاتم داد

دوسروں کو کیا خبر اس دولت کی۔ اندھے مادرزاد کو کیا خبر کہ نظر کسے کہتے ہیں اور روشنی کیسی ہوتی ہے۔ عنین کیا جانے کہ نکاح میں کیا مزہ ہے اور منکوحہ کیسی قابلِ قدر چیز ہے۔ اسی طرح جن کی باطنی آنکھیں بند ہیں وہ باطنی دولت کی حقیقت کیا سمجھیں وہ تو ظاہری جاہ و مال چھوڑنے والوں کو بے وقوف ہی بناویں گے کہ لو صاحب روپیہ پیسہ ملتا تھا نہیں لیا۔ سرداری مل رہی تھی نہیں قبول کی۔ اب دیکھیے یہ کس کی حالت تھی۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تھی۔ تو اعلےٰ درجہ کی حالت یہ

کہ عقلاء زمانہ بے وقوف کہا کریں اور دیوانہ سمجھا کریں۔ یہ تو بڑے فخر کی بات ہے۔ ایسی دیوانگی تو مطلوب ہے یہ دیوانگی تو وہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد
مرعسس را دید و در خانہ نشد

وہ دیوانہ ہے جو درحقیقت دیوانہ نہیں
دیکھا مگر گھر میں نہیں گیا

اور ؎

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم
مستِ آں ساقی و آں پیمانہ ایم

اگرچہ ہم قلاش اور دیوانہ ہیں
مگر معشوق حقیقی کی محبت میں مست ہیں

اور حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی
بے زر و گنج بصد حشمتِ قاروں باشی

اے دل اس کی محبت میں خراب ہونا بہتر ہے
کیونکہ بغیر دولت کے اس طرح قارون جیسی سیکڑوں حشمتوں کا مالک ہوگا۔

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

لیلیٰ کے گھر کی راہ میں اگرچہ جان کو بہت خطرے ہیں
مگر شرط ہے کہ اس راہ میں پہلے ہی قدم پر مجنوں بن جا

بلکہ اگر وہ جنوں کم ہوجائے تو غم ہوتا ہے اور جب وہ پھر عود کرتا ہے تو خوش ہوکر فرماتے ہیں ؎

باز دیوانہ شدم من اے طبیب
باز سودائی شدم من اے حبیب

باز آمد آبِ من در جوئے من
باز آمد یارِ من در کوئے من

اے طبیب میں پھر دیوانہ ہو گیا اور اے دوست میں پھر سودائی ہو گیا۔
پھر میری خشک ندی میں پانی آگیا۔ میرا معشوق پھر میرے کوچے میں آگیا۔
خوش ہوتے ہیں اور خدا کا شکر کرتے ہیں کہ دیوانگی پھر آگئی۔ اور عقل کو یوں خطاب کرتے ہیں ؎

آزمودم عقلِ دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اپنی عقل دور اندیش کو آزماتا ہوں اور اس کے بعد دیوانہ بن جاتا ہوں۔
اور مولانا فرماتے ہیں ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نگیرد فضلِ شاہ

عقل اور سمجھ کو بڑھانا سیدھا راستہ نہیں
شکستہ دلی ہی اس کے فضل کو حاصل کرتی ہے

تو یہ حالت ہوتی ہے۔ تو حالتِ مطلوب کیا ہوئی۔ یہ ہوئی کہ طلب میں ایسی حالت ہو جائے کہ لوگ دیوانہ سمجھنے لگیں۔ حدیث میں بھی تو آتا ہے۔ حصن حصین میں ہے۔ اذکروا اللہ حتیٰ یقولوا انہ مجنون۔ اللہ تعالیٰ کی اتنی یاد کرو کہ لوگ تم کو پاگل کہنے لگیں اور واقعی ایسی حالت ہو جاتی ہے۔ ایک بزرگ تھے۔ وہ خط بنو رہے تھے مگر زبان سے ذکر اللہ جاری تھا۔ نائی نے لبیں لیتے وقت عرض کیا کہ حضور تھوڑی سی دیر کے لئے خاموش ہو جائیں ورنہ

ہونٹ کٹ جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ ہونٹ کٹ جائے گا تو کیا ڈر ہے پھر جڑ جائے گا۔ لیکن اگر اللہ کی یاد کو میں نے منقطع کر دیا تو جو سانس غفلت میں گزرے گا اس کا کوئی تدارک نہیں بس میں اپنا کام کروں تم اپنا کام کرو۔ اگر ہونٹ کٹتے ہیں کٹنے دو چاہے سارے ہی کٹ جائیں ذکر کو منقطع نہ کروں گا۔ ہائے مولانا نے بھی ایک ایسی ہی حکایت لکھی ہے ؎

زاہدے را گفت یارے در عمل　　کم گری تا چشم را ناید خلل

ایک زاہد تھے جو رویا بہت کرتے تھے اُن کے ایک رفیق طریق نے کہا کہ کم رویا کرو ورنہ آنکھیں خراب ہو جائیں گی ؎

گفت زاہد از دو بیروں نیست حال　　چشم بیند یا نہ بیند آں جمال

زاہد نے کہا کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ آنکھیں وہ جمال دیکھیں گی یا نہ دیکھیں گی ؎

گر بہ بیند نورِ حق خود چہ غم است　　در وصالِ حق دو دیدہ کے کم ہست

اگر ان آنکھوں سے میں نے جمالِ حق دیکھ لیا تو پھر ان آنکھوں کے نہ رہنے کا کیا غم۔ یہ دو آنکھیں کیا۔ ایسی ایسی لاکھوں آنکھیں بھی ہوں تو اُس جمال پر نثار ہیں ؎

ور نہ بیند نورِ حق را گو برو!!　　ایں چنیں چشم شقی گو کور شو

اور اگر اس جمال کو نہ دیکھا تو ایسی کمبخت آنکھوں کا پھوٹ جانا ہی بہتر ہے۔ وہ آنکھ ہی کیا جس کو وہ جمال نہ دکھائی دے اور وہ کان ہی کیا جس کو وہ خطاب نہ سنائی دے۔ ایسی آنکھ اور ایسے کان ہی کو میں کیا کروں گا۔ حضرت یہ لوگ آنکھ کو کان کو جان کو مال کو سب کو محبتِ حق میں فنا کر دیتے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ؎

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے　　تیری ہستی کی رنگ و بُو نہ رہے

جتنا تعلق ذاتِ حق سے بڑھتا جاتا ہے اور سب کو فنا کرتے جاتے ہیں تو ایسوں کو لوگ بے وقوف بناویں ہی گے۔ کہیں گے اچھے متقی ہوئے ہونٹ ہی کٹا بیٹھے۔ اور کرو اللہ اللہ۔ کوئی ان سے کہے کہ میاں تمہیں کیا۔ ہونٹ کٹے تو اُن کے کٹے تم سے تو شکایت نہیں۔ ایک بزرگ صرف ستو ہی گھول کر پی لیتے۔ کہ کھانا کھانے میں دیر لگتی ہے۔ حرج بہت ہوتا ہے۔ ستو گھولا اور جلدی سے ایک گھونٹ پی لیا پھر اپنے اللہ کی یاد میں لگ گئے ان کی غذا تو بس یہ ہے۔ ایسے شخص کو ظاہر ہے کہ لوگ بے وقوف ہی کہیں گے۔ چونکہ ہر وقت توجہ حق کی طرف رہتی ہے ایک استغراق کا سا عالم طاری رہتا ہے اور جب توجہ ہی کسی اور

طرف نہیں تو بہت سی باتوں میں بھول ہو جاتی ہے محبوبِ حقیقی کے سوا انھیں اور کچھ یاد ہی نہیں رہتا (بقول احقر جامع ۱۲)

گم گشتۂ حیرت کوئی مجھ سا بھی نہیں ہے
میں خود ہوں کہیں دل ہے کہیں ہوش کہیں ہے

ہمیشہ رہتا ہوں اک بیخودی کے عالم میں
جہاں نہ میرے لئے ہے نہ میں جہاں کے لئے

تو ایسے شخص کو اہلِ دنیا پاگل نہ کہیں گے تو اور کیا کہیں گے۔ میں نے اپنے استاذ علیہ الرحمتہ سے خود سنا۔ مولانا علاوہ زبردست عالم ہونے کے بڑے درویش اور صاحبِ باطن شیخ تھے۔ فرماتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ خط لکھ کر آخر میں دستخط کرنے چاہے تو اپنا نام ہی بھول گیا بہت یاد کیا مگر یاد ہی نہ آیا۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے استغراق کا کہ اپنا نام ہی یاد نہ رہا۔ ایسا حیرت ناک واقعہ ہے کہ اگر میں نے خود حضرت سے نہ سنا ہوتا تو باور آنا بھی مشکل تھا حضرات صحابہ میں بھی اس رنگ کے ایک بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ایک دن آپ کی صاحب زادی صاحبہ بھی ساتھ جا رہی تھیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ لڑکی آپ کی ہے تو آپ بہت غور سے اس کو دیکھ کر فرماتے

ہیں کہ ہاں گھر والے کہتے تو ہیں کہ یہ میری لڑکی ہے. یعنی یہ بھی یاد نہیں رہا کہ یہ میری لڑکی ہے. گھر والوں کے قول سے استدلال کیا. میں نے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی ان کا بھی یہ ہی رنگ تھا. ایک بار مولانا کے پوتے کی شادی کا ہنگامہ تھا. مجمع کو دیکھ کر پوچھا کہ ارے بھائی یہ لوگ کیوں جمع ہیں. عرض کر دیا گیا کہ حضرت کے پوتے کا نکاح ہے. فرمایا اچھا ان کا نکاح ہے. تھوڑی دیر بعد پھر فرماتے ہیں کہ ارے بھائی یہ لوگ کیوں جمع ہیں. پھر عرض کر دیا گیا کہ پوتے صاحب کا نکاح ہے. فرمانے لگے کہ ہاں میاں ابھی تو تم نے کہا تھا کہ نکاح ہے، ہم بھول ہی گئے. تمہارا کیا قصور ہے ہمارا ہی یاد خراب ہے. یاد ہی نہیں رہتا. پھر تھوڑی دیر بعد وہی سوال کہ میاں یہ کیا ہو رہا ہے، یہ لوگ کس لئے جمع ہوئے ہیں. پھر کہہ دیا گیا کہ حضرت نکاح ہے. فرمایا ارے بھائی ہم تو بھول بھول جاتے ہیں کیا کریں. اب ہم پوچھیں بھی تو مت بتلانا کوئی کہاں تک بتائے. اچھی ہو گا. ہمیں پوچھنے ہی کی کیا ضرورت ہے.

حضرت شیخ عبد الحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کا حال حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس قدر استغراق

تھا کہ ہمیشہ تو نماز جماعت سے جامع مسجد میں پڑھتے تھے۔ لیکن راستہ عمر بھر بھی یاد نہ ہوا۔ یہ کیفیت تھی استغراق کی کہ حضرت کے ایک خادم تھے بختیار۔ وہ آگے آگے چلتے اور حق حق کہتے جاتے۔ بس اس آواز پر چلتے جاتے اور مسجد تک پہنچ جاتے۔ کیا ٹھکانا ہے استغراق کا کہ تیس برس تک ایک ہی مسجد میں نماز پڑھی مگر راستہ ہی یاد نہ ہوا۔ اس قدر تو استغراق تھا مگر اتباعِ سنت کا یہ حال تھا کہ کسی ادنیٰ سنت کو بھی کبھی ترک نہیں کیا۔ غرض تیس برس تک نماز با جماعت جامع مسجد میں ادا کی لیکن پھر بھی راستہ یاد نہ ہوا وجہ یہ کہ ایک دل میں دو چیزیں نہیں سما سکتیں۔ اہل اللہ کے قلب میں ایک ایسی چیز بس گئی ہے کہ کسی دوسری چیز کی اس میں گنجائش ہی نہیں رہی۔ حضرت ایسوں کو عقلاء مجنون نہ کہیں تو کیا کہیں جنہیں نہ راستہ یاد نہ اولاد یاد نہ خادم یاد۔ عقلاء تو ایسوں کے بارے میں یہی کہیں گے کہ معلوم ہوتا ہے دماغ میں خلل ہے۔ ارے نادان تو تمہارے ہی دماغ میں خلل ہے۔ جو چیز اِن کے اندر ہے اگر تمہارے اندر ہو تو کلیجہ پھٹ جائے (بقول احقر جامع ۱۲)

ردیہ اور کو ملتا تو وہ مر ہی جاتا   کر کے نالے بھی مجھے نازِ شکیبائی ہے

یہ ان کی دماغ ہی کی تو صحت و قوت ہے کہ اس قدر ضبط ہے۔ چنانچہ حضرت مخدوم عبد الحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ باوجود اس قدر مغلوب الحال ہونے کے فرماتے ہیں۔ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بہ فریاد آمد اینجا مردانند کہ دریاہا فرو برند آروغ نہ زنند ہم کو نقل کرتے بھی جھجک ہوتی ہے لیکن ان کو حق حاصل ہے فرماتے ہیں۔ منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ میں شور مچانے لگا یہاں مرد ہیں کہ سمندر کے سمندر چڑھا جائیں اور ڈکار نہ لیں (بقول جامع)

کر چکے رندی بس اے مجذوب تم
ایک چلو میں یہ حالت ہو گئی

تو معلوم ہوا کہ ان کے اندر ایک ایسی چیز تھی جس کو منصور بھی ضبط نہ کر سکے۔ جب منصور سے وہ چیز ضبط نہ ہو سکی تو اوروں سے تو کیا ہو سکتی ہے۔ ایسی چیز جس کے اندر ہو کیا اُسے جامع مسجد کا راستہ یاد رہ سکتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی استقامت ایسی تھی کہ نماز تو نماز جماعت بھی کبھی نہ چھوٹی۔ یہ تھا اتباع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اس اتباع ہی کی برکت سے اس درجہ تک پہنچے اور یہ رتبہ پایا۔ اور اتباع میں ایسی برکت ہونے کا ایک راز ہے جس کے متعلق پہلے ایک حکایت سن لیجئے۔ قنوج

میں ایک وکیل ہیں۔ شیخ محمد عالم وہ خود مجھ سے اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ کسی اور بستی میں جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک مکان کی دہلیز میں سے ایک بڑی بی کی آواز آئی۔ انھوں نے مجھ کو بلا کر بڑی محبت سے میرے سر پر اور میری کمر پر ہاتھ پھیرا اور پیار کیا اور بٹھلا کر میرے لئے حلوا تیار کیا اور کہا کہ اگر کبھی تمہارا آنا ہوا کرے تو میرے پاس ہو کر جایا کرو۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اس بڑھیا سے نہ میری جان پہچان ہے کیوں ایسی محبت سے پیش آ رہی ہے۔ آخر میں نے پوچھا کہ بڑی بی تم میری کیوں اتنی خاطر کر رہی ہو۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا کہ تمھاری شکل کا میرا ایک بیٹا ہے۔ وہ بہت دن سے پردیس میں ہے۔ اُس کی ایسی ہی شکل ہے جیسی تمہاری۔ تمہیں دیکھ کر مجھے وہ یاد آ گیا اور اس کی سی شکل ہونے کی وجہ سے مجھے تم سے محبت ہو گئی۔ تم میرے بیٹے کی شکل ہو۔ اس لئے تم پر پیار آ گیا۔ یہ ایک مثال ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کے محبوب جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو شخص آپ کی سی ہیئت بناتا ہے اس پر خدا تعالیٰ کو محبت اور پیار آتا ہے۔ کہ یہ میرے محبوب کا ہم شکل ہے۔ یہ راز ہے حضور کی

اتباع میں خاص برکت کا اور یہ ایسا طریقہ ہے وصول کا جو سب سے زیادہ نزدیک ہے اس کو جو اختیار کرے گا وہ بہت جلد پہنچے گا۔ اور وہ بہت جلد کامیاب ہوگا۔ ورنہ ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ۔۔۔ کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

مپندار سعدی کہ راہِ صفا ۔۔۔ تواں رفت جز در پئے مصطفٰے

حضورؐ کی راہ کے خلاف اگر کوئی چلے گا۔ وہ کبھی بھی خدا کا وصال حاصل نہیں کرسکے گا اے سعدی اس خیال کو کبھی دل میں بھی نہیں لانا چاہیئے کہ سوائے حضور کی پیروی کے دوسرا کوئی صحیح اور حق کا راستہ ہے۔

بدون حضور کے اتباع کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کہہ دیجیئے یا رسول اللہ کہ اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میرا اتباع کرو۔ خدا کو تم سے محبت ہو جائے گی۔ ظاہری نسقِ کلام کا یہ مقتضا تھا کہ یوں فرماتے کہ تم کو خدا سے محبت ہو جائے گی مگر یوں نہیں فرمایا گویا اس طرف اشارہ ہے کہ تم تو کیا خدا سے محبت کرتے تمہارا تو کیا منہ ہے۔ ہاں خدا ہی کو تم سے محبت ہو جائے گی۔ اگر رسول کا اتباع کرو گے۔ اللہ اکبر۔ ہم اگر چاہتے اور کوشش کرتے کہ ہم سے خدا کو محبت ہو جائے تو قیامت

تک بھی یہ دولت نصیب نہ ہو پاتی۔ کیونکہ کہاں ممکن۔ کہاں واجب چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ لیکن اتنا بڑا رتبہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے حاصل ہو جاتا ہے۔ تو صاحبو بڑی چیز یہ ہے۔ یعنی حضور کا اتباع۔ حضرت شیخ عبدالحق ردولوی کو بھی اتنا بڑا رتبہ حضور ہی کے اتباع سے حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ آپ سے کبھی کوئی سنت ترک نہ ہوتی تھی۔ مگر استغراق اتنا رہتا تھا کہ تیس برس تک جامع مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جاتے آتے رہے لیکن راستہ یاد نہ ہوا۔ تو ایسا استغراق تھا۔ ایک دن ردولی سے باہر بہت دور ایک ندی کنارے جا رہے تھے۔ یہ جگہ بہت پسند آئی۔ فرمایا کہ یہ تو بڑے لطف کی جگہ ہے اب یہیں رہا کریں گے۔ بختیار خادم تھے عاشق۔ عرض کیا بہت بہتر اور دونوں وہیں رہنے لگے۔ بہت زمانہ کے بعد ایک دن کچھ افاقہ ہوا تو دفعتاً دریا پر نظر پڑی۔ خادم سے فرمایا کہ ارے میاں ردولی میں تو پہلے کوئی دریا نہ تھا۔ اب یہاں دریا بھی بہنے لگا۔ سیر و تفریح کی جگہ ہو گئی۔ خادم نے عرض کیا کہ حضرت یہ ردولی کہاں ہے۔ یہ تو فلانے مقام کا دریا ہے ردولی سے آئے ہوئے تو حضور کو بہت دن ہو گئے۔ تب

فرمایا کہ اگر یہ ردولی نہیں ہے تو چلو بھائی یہاں سے۔ گھر سے بے گھر ہونا ٹھیک نہیں لیجئے یہ بھی خبر نہیں کہ یہ ردولی ہے یا کوئی اور مقام۔ ایسے شخص کو عقلاء زمانہ لیکن جہلائے آخرت کیا پاگل نہ کہیں گے۔ مگر مقبول ہے یہ لقب اور مطلوب ہے یہ حالت۔ اس واسطے کہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی کہا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ط کفار اہل ایمان کو ذلیل سمجھ کر ان پر ہنستے ہیں اور ان کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔ لیکن ایمان والوں کو اس سے دلگیر نہ ہونا چاہیئے۔ ہنسنے والے یہاں ایمان والوں پر ہنس لیں اور اپنے آپ کو ان سے بڑھا ہوا سمجھ لیں لیکن قیامت کے روز اہلِ تقویٰ ان سے بڑھے ہوئے رہیں گے اور یہ گھٹے ہوئے ہوں گے۔ (بقول حضرت سعدی علیہ الرحمۃ) ؎

بسا سوار کہ آں جا پیادہ خواہد شد　　بسا پیادہ کہ آں جا سوار خواہد بود

یا بقول ملا در رسالہ مناظرہ مسٹر و ملا ؎

وہاں اپنی حقیقت تجھ کو دکھلاؤں گا اے مسٹر
یہاں رکھتی ہے میری کامرانی شکل حرمانی

مطلب میرا یہ ہے کہ شریعت کا اتباع کرنے والے مصالح دنیویہ کو پیش نظر کیوں رکھتے ہیں وہ کیوں یہ چاہتے ہیں کہ مصالح دینیہ و دنیویہ دونوں کو جمع رکھیں یعنی اس معنی کر کہ دنیا بھی خوب کماؤ کھاؤ اور دین کے بھی بھلے بنے رہو، ادھر مخلوق کو بھی راضی رکھو ادھر خدا کو بھی۔ اگر خدا کو معبود اور مقصود سمجھتے ہو تو مخلوق کو راضی یا ناراض کرنے سے قطع نظر کر لو۔ قصداً تو کسی سے لڑو بھڑو نہیں لیکن اس کی بھی کوشش نہ کرو کہ مخلوق تم سے راضی ہی رہے۔ بس اس شان کا ہونا چاہیئے مسلمان کو۔ لیکن یہ ضروری بات ہے کہ یہ شان جبھی پیدا ہو سکتی ہے جب حضور کا پورا پورا اتباع کیا جائے گو یہ بھی ضروری ہے کہ اس حالت میں لوگ ملامت کریں گے مگر تمہارا یہ مذہب ہونا چاہیئے۔

نسازد عشق را کنج سلامت ۔۔۔ خوشا رسوائی کوئے ملامت

عشق کو سلامتی کا گوشہ راس نہیں آتا ۔۔۔ وہ تو ملامت کے کوچہ کی رسوائی میں خوش ہے

اور خوش ہونا چاہیئے کیونکہ اس میں ایک راز ہے۔ وہ یہ کہ جس میں ملامت ہو جاتی ہے اس میں آدمی پکا ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی نے داڑھی رکھ لی تو داڑھی منڈانے والے اس پر مولانا صاحب آئے حضرت قبلہ۔ یہ ضرور ہو گا۔ اور

ناگوار بھی ہوگا۔ لیکن اس کا اثر یہ بھی ہوگا کہ اگر کبھی جی بھی چاہے گا منڈانے کو تب بھی اس غصہ میں آکر نہ منڈائے گا۔ اور اُن کی ضد میں داڑھی رکھنے کا اور بھی پختہ عزم کرلے گا۔ تو یہ نفع ہے ملامت میں۔ غرض حضور کے اتباع میں ملامت کی ہرگز پروا نہ کرنی چاہیئے اگر لوگ تم پر ہنسیں یا طعن کریں تو دلگیر ہونے کی کیا وجہ ہے سبحان اللہ میاں یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ یہ تو وہ رتبہ ہے جو حضرات صحابہ کو حق تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ اس وقت بھی اہلِ ایمان پر لوگ یوں ہی ہنسا کرتے تھے۔ تو جب حضور کا کا اتباع کروگے لوگ ہنسیں گے ضرور لیکن اس کی کچھ پروا نہ کرو۔ اب فرض کرو تم نے کوئی شادی کی بلا رسم تو لوگ طعنے دینا شروع کریں گے اور سینکڑوں نناڑیں پڑنی شروع ہوں گی کہ یہ بڑے منتقی نکلے ہیں کہ باپ دادا سے بھی بڑھ گئے۔ باپ دادا سے جو رسمیں چلی آرہی تھیں سب ناجائز ہی قرار دے دیں۔ ایسے کنجوس ہیں کہ برادری کا کھانا بھی اڑا دیا۔ یہ سب طعن وتشنیع سن کر بھی تم خوش رہو اور کچھ پروا مت کرو۔ دنیا میں بھلا رسوائیوں سے بھی کوئی سلامت رہا ہے لہٰذا خوش ہونا چاہیئے اور یہ کہنا چاہیئے۔

نماند عشق را گنج سلامت خوشا رسوائی کوئے ملامت

اور سنو اگر لباس شرع کے موافق پہنو گے تو جنٹلمین لوگ ہنسیں گے کہ یہ کیا دقیانوسی لباس پہنا ہے اوُل جلول۔ کتے کی جھول۔ چہرہ دیکھو تو وحشت برستی ہے۔ ارے عاشقوں کے چہرے پر تو وحشت ہی زیب دیتی ہے۔ مانگ پٹی تو زنانوں کا شعار ہے واللہ وہ عاشق نہیں جو کوٹ بوٹ سے درست ہو خدا کی قسم جن کے دلوں میں محبت گھس گئی ہے انہیں اپنے سر اور پاؤں کی بھی خبر نہیں کوٹ بوٹ تو کیا پہنتے اگر اُن کے پاس پھٹی جوتی اور پھٹا لباس بھی ہوگا تو انہیں عار نہ ہوگی میں پھر کہتا ہوں کہ ہاں وہ عاشق نہیں جسے سر پاؤں کی خبر ہو جو عاشق ہوگا وہ تو ایسا ہی ہوگا جسے نہ سر کی خبر ہوگی نہ پاؤں کی اور واقع میں یہ نہیں کہ اُسے خبر نہ ہوگی۔ خبر تو ہوگی مگر پرواہ نہ ہوگی اور اب تو یہ حالت ہے کہ بھلا مرد تو مرد عورتوں نے باریک کپڑے پہننے شروع کر دیئے ہیں اگر کوئی اچھے کپڑے شریعت کے موافق پہنے تو کہتی ہیں کہ یہ کیا کنجڑوں اور قصائیوں[ع] کے سے کپڑے پہنے ہیں۔ اس قدر چست اور منڈھا ہوا لباس پہنتی ہیں کہ بدن کی ساخت اور ساری ہیئت ہی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ اگر اتفاق سے کسی غیر محرم کی نظر پڑ جائے تو کس قدر بے غیرتی ہے۔ اور پائنچے

ع قصائی کا مونث ۱۲۔

ایسے چست کہ پنڈلی میں چٹکی لیں تو کھال بلکہ گوشت کی بوٹی تک اکھڑ آئے۔ پھر اوپر سے کھڑے جوتے حالانکہ حرام ہے۔ عورتوں کے لئے مردوں سے مشابہت۔ حدیث میں لعنت آئی ہے۔ ایسی عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت کریں اور اس قدر چست پائنچے بازاروالی فاسق فاجر عورتوں کا شعار ہے اور مشابہت فساق فجار کی بھی ناجائز ہے۔ اس کا منشاء فقط تفاخر ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ذرا آن بان سے رہیں اور خوبصورت معلوم ہوں۔ اور کوئی یہ نہ کہے کہ یہ کیسے باولوں کے سے ڈھیلے پائینچے ہیں جیسے جھلی ماری پہنے پھرتی ہیں (یعنی سینگی لگانے والیاں) تو اب عورتیں بھی اس طرح سے طعن کرنے لگی ہیں۔ غرض عورتوں نے بھی اب آپس میں مردوں کا سا تفاخر کرنا شروع کردیا ہے مینڈکی کو بھی لوزکام ہوا۔ مردوں کو تو یہ مرض تھا ہی عورتوں کو بھی ہوا۔ اور مردوں کا تفاخر تو خیر چل بھی سکتا ہے کیونکہ ایک کو دوسرے کی اندرونی حالت معلوم نہیں جیسا چاہو اپنے کو ظاہر کرسکتے ہو۔ مگر عورتیں گھروں میں آنے جانے والیاں ایک کو دوسرے کے گھر کی ہر ایک حالت کی خبر۔ یہ ایک دوسرے سے کیونکر اپنا اصلی حال چھپا سکتی ہیں۔ اس لئے

برداگر تفاخر کرتے ہیں تو ان کی اتنی بے وقوفی نہیں کیونکہ ایک کو دوسرے کا حال معلوم نہیں۔ کہ گھر میں چوہے قلابازی کھا رہے ہیں۔ قلعی نہیں کھلتی۔ بس ایک جوڑا انگریزی بنالیا۔ اور ہر موقع پر اچھے خاصے جنٹلمین بن گئے۔ جو غریب ہیں انہوں نے بھی بس ایک اچکن بڑھیا بنوالی اور ہر موقع پر وہی اچکن ڈاٹ لی اور نواب کے بچے بن گئے۔ حالانکہ گھر میں خاک بھی نہیں۔ بعض لوگ انگریزی کا ایک حرف بھی نہیں جانتے لیکن جنٹلمین رنگ و روغن بنلاتے ہیں۔ روغن پر ایک حکایت یاد آئی۔ کوئی ایسے ہی تھے شیخی باز۔ ظاہری وضع تو نہایت امیرانہ اور گھر میں کھانے تک کو نہیں۔ روز گھر سے آکر اپنے دوستوں میں شیخی بگھارا کرتے کہ آج گوشت بہت مزیدار پکا تھا۔ پلاؤ بھی اچھا تھا۔ چاہے گھر میں دال اور خشکہ بھی میسر نہ آیا ہو۔ میاں فاقہ ہی سے ہوں۔ اور ترکیب یہ کرتے کہ گھر میں جو جلنے کا چراغ تھا اس کا تیل انگلیوں اور مونچھوں کو لگا لیتے تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو کہ واقعی نواب صاحب بہت مرغن گوشت اور پلاؤ کھا کر آرہے ہیں۔ ایک دن عجب دل لگی ہوئی۔ حسب دستور چراغ میں سے تیل لے کر جو مونچھوں کو چپڑنے لگے

تو اتفاق سے بتی بھی موچھوں میں لپٹ گئی اور چونکہ وہ جلتے جلتے چھوٹی سی رہ گئی تھی اس لئے ان حضرت کو وہ محسوس بھی نہ ہوئی۔ باہر آکر حسب عادت دوستوں میں ڈینگیں مارنے لگے کہ واللہ آج کا پلاؤ تو بہت ہی مزیدار تھا۔ ایک صاحب کی نظر جو موچھوں پر پڑی تو کیا دیکھتے ہیں کہ چراغ کی بتی لپٹی ہوئی ہے بس ساری قلعی کھل گئی۔ کہ حضرت چراغ کا تیل موچھوں میں لگا لگا کر آتے ہیں تاکہ لوگوں پر ظاہر ہو کہ بہت مرغن کھانے کھاتے ہیں۔ فوراً انہوں نے کہا کہ جناب بجا ہے اور دیکھیے پلاؤ کا ایک چاول بھی موچھوں میں لپٹ آیا ہے۔ ہاتھ پھیر کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ چراغ کی بتی ہے۔ بہت ہی خفیف ہوئے تو اس شیخی بازی سے فائدہ کیا۔ خیر یہ تو اتفاقی بات تھی کہ لوگوں کو پتہ چل گیا۔ ورنہ مردوں کی شیخی تو کچھ چل بھی جاتی ہے۔ کیونکہ گھر کے اندر کا حال مردوں کو کیا معلوم۔ لیکن عورتوں کو تو ایک دوسری کا حال معلوم ہے۔ کہ اتنے پانی میں ہے پھر شیخی کیسی۔ پھر بیگم صاحبہ خواہ مخواہ ہی انیٹھ مروڑ میں مری جاتی ہیں۔ پھر ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر لباس قیمتی ہی پہننے کا شوق ہو تو پہنو۔ لیکن ایک تو شریعت کے خلاف نہ ہونا

چاہیئے، دوسرے زینت میں غلو نہ ہو۔ بس اتنا تجمل کافی ہے
کہ کوئی ذلیل نہ سمجھے۔ کوئی باؤلا جھلا نہ کہے (یعنی پاگل) اور اصلی
بات تو یہ ہے کہ نہ ذلت کی پروا ہو نہ بد نامی کی یہ دونوں شانیں
عشق کے لوازم میں سے ہیں یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ اور لَا یَخَافُوْنَ
لَوْمَةَ لَائِمٍ اسی طرف اشارہ ہے محبین پر تو ملامت ہوتی ہے
مثلاً پردہ ہی ہے۔ بعض عورتیں جو متشرع ہیں وہ سب
نامحرموں سے پردہ کرتی ہیں۔ حتیٰ کہ چچازاد بھائی سے بھی۔
انکے اوپر بڑے طعن ہوتے ہیں کہ بھلا بھائی سے بھی کہیں پردہ
ہوتا ہے۔ عورتوں کے نزدیک چچا کا لڑکا ایسا ہے جیسے سگا
بھائی۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سگا بھائی ہے لیکن ایسا سگا ہے
جو سگ سے ماخوذ ہے۔ اور الف جو آخر میں ہے وہ ایسا ہے
جیسے کسی بڑی ہانڈی کو ہنڈا کہہ دیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں
سگا کے معنی ہیں بڑا سگ۔ ایک شہری بچہ سے کسی نے پوچھا
کہ فلانا تمہارا سگا بھائی ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ وہ میرا حقیقی
بھائی ہے، سگ تو کتے کو کہتے ہیں۔ چھوٹا سا بچہ تھا لیکن کسی
سے سن لیا ہوگا کہ سگ کتے کو کہتے ہیں۔ تو کہتا ہے حقیقی بھائی
کہیے۔ سگ نہ کہیئے۔ تو غرض یہ کہ عورتیں چچازاد بھائی کو شل

حقیقی بھائی کے سمجھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اس سے کیا پردہ۔ عورتیں تو عورتیں ایسے پردہ سے مرد بھی خفا ہیں۔ کسی نے ہمت کرکے اپنے قریبی نامحرم رشتہ داروں سے بھی پردہ کرنا شروع کیا تو اب چاروں طرف سے اعتراض کی بھرمار ہے۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ میاں کچھ نہیں اب عزیزوں میں آپس میں محبت ہی نہیں رہی۔ دوسرے صاحب بھی الجھ گئے کہ ان کے گھر جاویں تو کیا دیواروں سے بولیں اب ہم ان کے یہاں جانا ہی بند کردیں گے۔ سبحان اللہ کیا عزیزوں کے تعلقات اور آپس کا میل جول بے پردگی ہی پر موقوف ہے اگر یہ معنی ہیں تو یہ تو نعوذ باللہ اللہ میاں پر اعتراض ہے کہ ایسے قریبی رشتہ داروں کو بھی نامحرم قرار دے دیا۔ استغفر اللہ۔ مگر اسی میں بعضی ایسی بھی ہمت والیاں ہیں کہ چاہے کوئی ہو وہ کسی نامحرم کے سامنے نہیں آتیں۔ چاہے کوئی برا مانے یا بھلا مانے اور اکثر جگہ تو پردہ کی ایسی کمی ہے کہ محرمیت نہیں کچھ نہیں۔ دور دور کے رشتہ داروں کو بے تکلف گھر میں بلا لیتی ہیں اور بے محابا ان کے سامنے آ جاتی ہیں۔ یہ بالکل ناجائز ہے اور گناہ ہے۔ مردوں کو چاہیئے

کہ وہ انہیں تنبیہ کریں اور سب نامحرموں سے پردہ کرائیں۔ اگر کسی کو ناگوار ہو تو بلا سے ہو۔ کچھ پروا مت کرو۔ ہرگز ڈھیلا پن نہ برتو۔ بلکہ مردوں کو چاہیئے کہ اگر کوئی نامحرم رشتہ دار عورت ان سے پردہ نہ کرے تو وہ خود اس سے چھپا کریں۔ میری ایک خالہ تھیں۔ یعنی میرے والد صاحب کی سالی۔ یہ دستور ہے ہی کہ عموماً سالیاں بہنوئی سے پردہ نہیں کرتیں۔ چنانچہ وہ بھی والد صاحب کے سامنے آنے لگیں۔ والد صاحب اگرچہ عمر میں ان سے بہت بڑے تھے اور باپ کے برابر تھے۔ لیکن ان کو غیرت آئی اور سامنے آنے سے منع کر دیا۔ انہوں نے مانا نہیں اور پھر بھی سامنے آئیں۔ گو والد صاحب دنیادار تھے مگر غیرت دار بڑے تھے۔ ایک بار خوب ڈانٹا کہ خبردار جو کبھی میرے سامنے آئی۔ ٹانگیں توڑ دوں گا۔ بہت برا مانا اور بہت روئیں کہ بھائی نے مجھے ایسا ایسا کہا۔ مگر پھر کبھی سامنے نہیں آئیں۔ پردہ کرنے لگیں تو انہوں نے برا مانا۔ والد صاحب نے کچھ پروا نہ کی۔ پردہ کرا کر چھوڑا۔ اسی طرح تم کرو۔ اگر کوئی برا مانتا ہے مانا کرے۔ کچھ پروا نہیں کرنی چاہیئے۔ برا مان کر کوئی کرے گا کیا۔ اچھا تو ہے سب چھوڑ دیں۔ کوئی اپنا نہ رہے

یوں ہی تعلق خلق سے گھٹے۔ جب کوئی اپنا نہ رہے گا۔ اور سب سے توقع منقطع ہو جائے گی۔ تب تو سوچے گا کہ بس جی اب تو اللہ میاں ہی سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے۔ بقول کسی کے ع جب کیا تنگ بتوں نے تو خدا یاد آیا۔ (بقول جامع ۱۲) ؎

دشمنیٔ خلق میری رہنما ہونے کو ہے　　اب مرادِ دستِ طلب دستِ دعا ہونے کو ہے

بیکسی ہی سے حصولِ مدعا ہونے کو ہے　　کوئی مت پوچھو مجھے میرا خدا ہونے کو ہے

اب سمجھے گا کہ اعزہ اقربا یار دوست یہ سب حجاب تھے اب کوئی حجاب نہ رہا (بقول جامع) ؎

اب تو میں ہوں اور شغلِ یادِ دوست　　سارے جھگڑوں سے فراغت ہو گئی

اب خدا کے بنو جتنے تعلقات کم ہوں اتنا ہی اچھا۔ ہمارے ایک بزرگ تھے ماموں امداد علی صاحب۔ ویسے تو آزاد منش درویش تھے مگر باتیں بڑی حکمت کی فرمایا کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ تارک الدنیا ہونا تو بہت مشکل ہے۔ مگر ہاں جب کسی پر میاں کا فضل ہوتا ہے تو اس کو متروک الدنیا بنا دیا جاتا ہے یعنی ایسے اسباب غیب سے پیدا ہو جاتے ہیں کہ خود دنیا اس کو چھوڑ دیتی ہے۔ یہ صورت ہوتی ہے۔ ترکِ دنیا اور ترکِ تعلقات کی۔ یعنی جب متروک الدنیا ہو گیا تو دنیا سے

نفور ہو کر تارک الدنیا بھی ہو ہی گیا۔ اور بھائی یہ تو سوچو
کہ کیسے کیسے راضی کرو گے۔ راضی تو ایک ہی ہوتا ہے کبھی تو راضی
ہوا نہیں کرتے تو حضرت یہ کیجئے کہ صرف ایک اللہ کو راضی رکھئے
بہت سے آدمیوں کو کہاں تک راضی رکھیے گا۔ ضرب اللہ
مثلاً رجلاً فیہ شرکاء متشاکسون ورجلاً سلما لرجل ھل
یستویان مثلاً (ترجمہ) اللہ تعالے نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک
شخص ہے جس میں کئی ساجھی ہیں جن میں باہم ضد اضدی ہے اور ایک اور
شخص ہے کہ پورا ایک ہی شخص کا ہے کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہے ؎

دل آرامے کہ داری دل درو بند — دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

ایک ہی دل آرام کی طرف دل کو لگا دے — اور تمام دنیا سے آنکھ پھیر لے

میں کہتا ہوں کہ ایک مردار بازاری عورت کی محبت میں اسکی رضامندی کی خاطر
اپنی آبرو۔ جائداد۔ خاندان کی عزت سب برباد کر دیتے ہو۔
کسی چیز کی پروا نہیں کرتے تو کیا خدا کی محبت اس سے بھی
کم ہو گئی۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق مولا کے کم از لیلے بود — گوئے گشتن بہر او اولے بود

مولا کا عشق لیلے کے عشق سے کم نہیں ہو سکتا — مولا کے عشق میں لٹو ہو جانا بہتر ہے

کیا عشق مولا لیلے کے عشق سے بھی کم ہو گیا۔ دیکھو لیلے کی

محبت میں مجنوں کی کیا کیفیت تھی۔ پھر تم تو خالق لیلےٰ کے مجنوں ہو۔ تمھاری تو اس سے بھی بڑھ کر حالت ہونی چاہیئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالےٰ کی رضا کے مقابلہ میں کسی کی ناراضی کا خیال نہ کرو۔ یہ میں نہیں کہتا کہ باولے بنو بلکہ مستقیم رہو شریعت پر اور پختہ کار ہو جاؤ محبت میں۔ اگرچہ سارا جہان خلاف ہو جاوے۔ ساری دنیا لتاڑے۔ بُرا بھلا کہے۔ ملامت کرے

(بقول احقر جامع) ؎

تری رضا میں ہے سارا جہاں خفا ہم سے
اگر یہی ہے زیاں تب تو کچھ زیاں نہ ہوا

بلکہ ملامت سے تو عشاق خوش ہوتے اور ایک راز ہے خوش ہونے کا۔ ایک تو اس سے خوش ہوتے ہیں کہ الحمد للہ ہمیں لوگ اللہ میاں کا عاشق سمجھتے ہیں۔ ایک یہ کہ ضد میں دین اور پختہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً شادی کی اور بارات میں صرف چار آدمی لے گئے۔ پھر اس پر چاروں طرف سے لتاڑ پڑنا شروع ہوا تو اس سے اور بھی چڑ پیدا ہو جائے گی اور ضد میں آکر کہے گا کہ اب کی بار اس سے بھی مختصر لو۔ اب کے تو چار آدمی بھی تھے۔ اب کے دیکھنا انشاء اللہ جو چار آدمی بھی ہوں۔ کر لو میرا کیا کرتے ہو۔ اگر لتاڑ نہ پڑے تو اتنے پختہ نہ ہوں جتنے لتاڑ میں

پختہ ہو جاتے ہیں اس لیے لتاڑ بھی اللہ میاں کی بڑی رحمت ہے۔ بس تو نیک کام پر اگر لتاڑ پڑے تو خدا کا شکر کرو۔ خلاصہ یہ کہ طریقِ محبت ہے اصل لیکن اس کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے اس واسطے کہ اگر عمل نہ کیا تو محبت باقی نہیں رہتی بلکہ گھٹ جاتی ہے۔ اور گھٹتے گھٹتے بالآخر بالکل ہی فنا ہو جاتی ہے (جیسے چراغ میں اگر تیل ڈالنا چھوڑ دیں تو لو کم ہوتی چلی جائے گی اور رفتہ رفتہ چراغ گل ہو جائے گا) چنانچہ اسی طریقِ محبت کی طرف اشارہ ہے آیت کے اس جزو میں یحبھم ویحبونہٗ یعنی وہ لوگ ایسے ہونگے جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرینگے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرینگے اس سے معلوم ہوا کہ اصل تو محبت ہے۔ آگے اُن کی علامت مذکور ہے کہ وہ کیسے ہیں وہ ایسے ہیں کہ اذلۃٍ علی المؤمنین اعزۃٍ علی الکافرین یعنی اللہ کے ماننے والوں کے سامنے تو نرم ہیں کیونکہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کے متعلقین سے بھی محبت ہوتی ہے اور اللہ کے مخالفین کے سامنے سخت ہیں یعنی فقط یہی نہیں کہ ان سے محبت اور میل جول نہیں بلکہ اُن سے اعراض ہے اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ ہے۔ محبت کا تو یہی مقتضا ہے کہ محبوب کے مخالفین سے اعراض ہو۔

صاحب یہ کیسی محبت ہے کہ محبوب کی نافرمانی کرنے والوں سے بھی محبت ہے۔ حق سبحانہٗ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ لَا تجد قوماً یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم او اخوانہم او عشیرتہم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ ویدخلہم جنٰت تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون ط آپ نہ پاویں گے ان لوگوں کو جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہوں۔ کہ وہ دوستی کریں اللہ رسول کے مخالفوں کے ساتھ چاہے وہ اُن کے باپ ہوں یا اولاد ہوں یا بھائی ہوں یا چاہے ان کا کنبہ ہی کیوں نہ ہو ان سب کو مخاطب کرکے صاف کہہ دیا ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد	فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد
ہزاروں رشتہ دار جو کہ خدا سے بیگانہ ہوں	خدا کا فدائی ان سے بیگانہ رہتا ہے

اور صاف کہہ دیا کہ سن لو صاحب ہم میں تم میں میل نہیں ہے ہمارا تمھارا مذہبی اختلاف ہے۔ ہم سے تم سے کوئی تعلق نہیں بس معاف کرو۔ خیر اگر اتنی ہمت نہ ہو تو کم از کم محبت اور

دوستی تو نہ ہو۔ مثلاً میل جول۔ شادیوں میں شرکت وغیرہ۔ یہ اور بات ہے مصرع۔ بل گئے صاحب سلامت ہو گئی۔ حدیث شریف میں بھی اہل باطل کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنے کا حکم ہے ارشاد ہے۔ لا تصلوا علےٰ جنازتھم ولا تعودوا ھم یعنی اگر بیمار پڑیں تو جا کر ان کی عیادت مت کرو۔ اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ کی نماز مت پڑھو۔ اگر مخالفین حق سے قطع تعلق ہی ہو گیا تو ہو جانے دو، آخر یہ علاقے کیا کام آئیں گے۔ بلکہ ان علاقوں کے تو قطع ہو جانے پر حق سبحانہٗ تعالےٰ ایسی ایسی بشارتیں دے رہے ہیں۔ فرماتے ہیں اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْاِیْمَانَ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان کو راسخ کر دیا ہے۔ آگے سبحان اللہ کیا وعدہ ہے وایدھم بروح منہ یعنی خدا نے مدد دی ان کو ایک روح کے ساتھ۔ وہ روح کیا ہے نسبت باطنی خدا کے ساتھ۔ اس سے ایسی قوت قلب میں پیدا ہوتی ہے کہ اگر سارا عالم بھی مخالف ہو جائے تو بھی کچھ پروا نہیں ہوتی۔ تعلق مع اللہ سے ایک نور قلب میں پیدا ہوتا ہے۔ اس نور کو روح اس لئے کہہ دیا کہ اس سے قلب میں حیات

پیدا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق بڑھتا ہے کہ بس یہ شان ہو جاتی ہے ؎

موحد چہ بر پائے ریزی زرش | چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس | ہمیں ست بنیاد توحید بس

ایک خدا کے ماننے والے کے قدموں میں اگر دولت ڈال دی جائے تو خدا کی محبت میں وہ اس کی پروا نہیں کرے گا اور اگر اس کے سر پر ہندی تلوار (جو کہ دھار کی تیزی میں مشہور ہے) رکھ دی جائے تو خدا کی محبت میں وہ اس سے نہیں ڈرے گا یہی توحید کی بنیاد ہے۔

اور بھی بشارت سنئے وَیُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا یعنی ان کو ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور اس سے بھی بڑی نعمت یہ ہوگی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ خدا اُن سے راضی ہوگا اور وہ خدا سے راضی ہوں گے۔ پھر فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰہِ یہ خدا کی جماعت ہے۔ یہ خدائی پارٹی ہے اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ط اور سن لو کہ خدا ہی کی پارٹی کے لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ تو حضرت اب کیا تو برادری اور کیا رشتہ داری دور دور کی کہتے ہیں کہ صاحب برادری کو نہیں

چھوڑا جاتا تو پھر اللہ میاں کو چھوڑ دو۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ایک دل میں اللہ بھی ہو اور اللہ کا مخالف بھی ہو۔ تو حضرت نماز روزہ تو ہے مگر محبت نہیں جس کے آثار آگے مذکور ہیں۔ یہ آثار مسلمانوں میں گم ہیں۔ اِلّا مَاشَاءَ اللہ۔ محبت کے آثار یہ ہیں اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ اللہ والوں کے ساتھ نرم ہیں اور اللہ کے مخالفوں کے ساتھ سخت ہیں۔ ایک تو یہ آثار ہیں دوسرے آثار کیا ہیں یہ ہیں یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ بڑی محنت کے عمل کرتے ہیں۔ تو دیکھیے محبت کے آثار میں سے عمل بھی ہے اور صاحب کیوں نہ ہو۔ اگر محبت ہو تو وہ ظاہر کیوں نہ ہوگی (بقول شخصے ع ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو) بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر کہیں تمہارا محبوب مدتوں کے بعد ترستے ترستے تم کو مل جاوے تو بھائی ایمان سے کہو تمہارا کیا جی چاہے گا؟ کیا یہ جی نہ چاہے گا کہ اس کو فوراً سلام کریں اور دوڑ کر اس کے پاس پہنچیں اور جا کر اس سے لپٹ جائیں۔ اور کیا مزے لے لے کر اس سے گفتگو نہ کرو گے۔ اور کیا زبان سے یہ نہ کہو گے کہ اللہ کا شکر ہے مدتوں کی آرزو پوری ہوئی اور کیا دعائیں

نہ دو گے کہ خدا اُنہیں دراز کرے۔ اور زیادہ ہمت ہوئی تو کیا اُس
کی جوتیاں بھی ہاتھ میں لے کر سر آنکھوں پر نہ رکھو گے
اور کیا اس کے تلووں سے آنکھیں نہ ملو گے۔ غرض کیا کیا نہیں
کرو گے اگر اس سے محبت ہے اور ایک عاشق ایسا ہے کہ
معشوق ملا اور یہ منہ پھیر کر بیٹھ گئے۔ کسی نے پوچھا یہ کیا۔ کہا
تم کیا جانو ہم اہل باطن ہیں۔ ہمارے باطن میں محبت بھری
ہوئی ہے ہمارا باطن لبریز ہے محبت سے مگر اظہار کی ضرورت
نہیں۔ بھائی دنیا میں کوئی بے وقوف سے بے وقوف بھی
یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کو محبت ہے بلکہ ہر شخص یہی کہے گا اور
بالکل سچ کہے گا کہ جھوٹا ہے۔ مکار ہے ؎

تعصی الالٰہ وانت تظہر حبہ　　　　ھذا لعمری فی الفعال بدیع
لو کان حبک صادقاً لاطعتہ　　　　ان المحب لمن یحب مطیع

(ترجمہ) نافرمانی کرتا ہے تو خدا کی اور ظاہر کرتا ہے اس کی
محبت کو یہ قسم ہے میری جان کی کہ عجیب بات ہے۔ اگر
تیری محبت سچی ہوتی تو اس کی طاعت کرتا کیونکہ محب جس
سے محبت رکھتا ہے اس کا مطیع ہوتا ہے۔ تو صاحبو ایسے
شخص کو بھلا کوئی بھی عاشق کہے گا۔ جو کوئی سنے گا یہی کہے گا

کہ واہ صاحب اچھے عاشق ہیں اور اچھی محبت ہے کہ معشوق نے پکارا تھا۔ بولے ہی نہیں۔ بلا یا تھا گئے ہی نہیں۔ یہ شخص ہرگز عاشق نہیں۔ جھوٹا ہے۔ نالائق ہے خواہ مخواہ شیخی بگھارتا ہے کیا عاشق ایسے ہوتے ہیں۔ اجی حضرت یہ تو بڑی بات ہے کہ کہنا نہ مانا۔ اہلِ صدق نے تو ذرا سی بات سے عاشق کو اہلِ وفا کے زمرہ سے خارج کر دیا ہے۔ چنانچہ کسی ہوسناک کا شعر تھا ؎

اُس کے کوچے سے جب اُٹھ اہلِ وفا جاتے ہیں
تا نظر کام کرے رُو بقفا جاتے ہیں

اب سنئے ایک عاشق نے اس کا کیا خوب جواب دیا ہے وہ کہتا ہے ؎

اُس کے کوچے سے کب اٹھ اہلِ وفا جاتے ہیں
وہ ہوسناک ہیں جو رُو بقفا جاتے ہیں

جو عاشق ہوگا وہ کوچۂ محبوب سے اُٹھ کر ہی کیوں جائے گا۔ محبوب ہی اٹھ کر چلا جائے تو یہ دوسری بات ہے تو دیکھئے اس کو بھی خلافِ محبت کہا۔ صاحب اللہ رسول کی محبت کا تو دعویٰ اور حال یہ کہ جب اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

نماز پڑھو تو آپ کہتے ہیں نہیں صاحب ہیں تو نہیں پڑھتا۔ جب زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں تو کہتے ہیں میں نہیں دیتا۔ جب روزہ کے لئے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں میں نہیں رکھتا۔ اسی طرح جب خلاف شرع لباس سے شرک سے۔ بدعت سے منع کیا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ نہیں صاحب میں تو نہیں مانتا اور کہنے کو اللہ کے عاشق ہیں۔ زبان پر ہے ہائے اللہ ہائے اللہ یہ اچھے عاشق ہیں صاحب۔ میں کہتا ہوں کہ جیسے مخلوق کی محبت تھی کہ محبوب کو دیکھتے ہی رہ نہ سکا بدون ہاتھ پاؤں چومے۔ بدون لپٹے۔ بدون قدموں پر گرے۔ بدون تلوے چاٹے۔ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جانے سے۔ گر پڑنے سے۔ تعریف کرنے سے کیسے رہا گیا۔ اگر محبت ہوتی تو تعظیم کے کلمات بھی کیوں نہ زبان سے نکلتے۔ جھک بھی کیوں نہ جاتا۔ سجدہ میں بھی کیوں نہ گر پڑتا۔ اسی کا تو نام نماز ہے۔ تو نماز تو پڑھتے نہیں اور اللہ کے عاشق ہیں۔ اچھے عاشق ہیں۔ کوئی شعر سنا تھا یا گانا بجانا سنا تھا اس پر کودنے لگے۔ بس عاشق ہیں۔ اگر یہی ہے تو پھر سانپ بھی اولیاء اللہ ہیں۔ کیونکہ جب بین کی آواز سنتے ہیں تو وہ بھی مست ہو جاتے ہیں۔ آدمی کیا ہے

سے جانور بھی گانے بجانے پر عاشق ہیں۔ بھلا یہ کوئی محبت ہے۔ محبت تو وہ چیز ہے کہ خدا کی قسم نہ گانے کی ضرورت نہ بجانے کی ضرورت اور بے چین ہیں ؎

کیا نیکہ یزداں پرستی کنند ۔ بر آوازِ دولاب مستی کنند

جو اللہ کے عاشق ہیں وہ رہٹ کی آواز پر بھی مست ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اس کی بھی ضرورت نہیں۔ اُن کی تو ہر وقت یہ شان ہے ؎

خوشا وقت شوریدگانِ غمش ۔ اگر ریش بینند وگر مرہمش

دمادم شرابِ الم در کشند ۔ وگر تلخ بینند دم در کشند

اس کے غم (محبت) میں مبتلا رہنے والے اگر زخم بھی کھاتے ہیں اور مرہم بھی پاتے ہیں۔ تو ہر حالت میں شرابِ الم پیتے رہتے ہیں اور اس کی تلخی کو محسوس نہیں کرتے ؎

گدایانے از پادشاہی نفور ۔ بامیدش اندر گدائی صبور

ایسے گدا ہیں جو بادشاہی سے نفرت کرتے ہیں۔ اور اُس کے وصل کی امید میں فقیری پر صابر رہتے ہیں۔

حضرت ان کے سر پر ہر وقت آرے چلتے رہتے ہیں۔ ان کی حالت کی دوسرے کو کیا خبر کسی نے خوب کہا ہے ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند!

تیرے پیروں میں کبھی کانٹا نہیں چبھا تو کیا جانے ان شیروں کا حال جو کہ مصیبت کی تلوار ہر وقت سر پر کھاتے ہیں۔

کسی کو کچھ خبر نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے وہاں تو ہر وقت یہ حالت ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

خدا کی تسلیم و رضا کے خنجر کے مارے ہوؤں غیب سے ہر وقت دوسری زندگی ملتی ہے ان کی حالت تو یہ ہے کہ ان سے ذرہ برابر نافرمانی نہیں ہوتی حضرت عشق اور محبت تو یہ ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں یعنی صرف عمل نہیں بلکہ سخت سے سخت محنت کے کام کرتے ہیں۔ پھر ایسوں کو بھلا کہاں بھوک پیاس۔ کہاں چین آرام۔ کہاں حظوظ و لذائذ کا اہتمام کہاں مرغن کھانوں کی رغبت۔ ہاں خدا دے تو کھا بھی لیتے ہیں مگر اہتمام نہیں نہ ان چیزوں سے ان کو دلچسپی بلکہ اُن کا مذہب یہ ہوتا ہے

عاقبت سازد ترا از دیں بری | ایں تن آرائی و ایں تن پروری

اپنی عاقبت کو سنوار۔ یہ تن آرائی اور تن پروری تجھ کو دین سے بیگانہ کردیں گے وہ تو ان سب خرافات سے یکسو ہو چکے ہیں اور ہر وقت خدا جانے کس شغل میں ہیں۔ (بقول احقر جامع) ؎

اب تو ہیں ہوں اور شغل یاد دوست | سارے جھگڑوں سے فراغت ہوگئی

چونکہ وہ اہل محبت ہیں اس واسطے سخت سے سخت کام بھی کر لیتے ہیں بڑا مشکل کام بھی اُن کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ بقول احقر جامع ؎

دردِ دل نے اور سب دردوں کا درماں کر دیا
عشق کی مشکل نے ہر مشکل کو آساں کر دیا

تو دیکھیے خود حق تعالیٰ کے ارشاد یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ سے معلوم ہوا کہ محب کے واسطے عمل معاف نہیں بلکہ اُس پر اور زیادہ محنت پڑتی ہے۔ نیز محبت کے آثار میں سے یہ بھی ہے کہ لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ کوئی کچھ کہے پروا نہیں کرتے اپنے کام میں مشغول ہیں۔ کوئی کچھ کہا کرے۔ ذرہ برابر التفات نہیں کرتے آگے فرماتے ہیں ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرماتے ہیں وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ اور اللہ میاں

بڑی وسعت والے ہیں۔ چاہیں تو سب کو یہ نعمت عطا فرمادیں مگر وہ علیم بھی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کون دینے کے قابل ہے۔ کون نہیں۔ جو مانگتا ہے اسی کو دیتے ہیں کسی کے سر نہیں منڈھتے یہ ہے آیت کا ترجمہ۔ اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ کن لوگوں کی مدح ہے اور مدح کا کیا حاصل ہے۔ مدح کا حاصل یہ ہے کہ خدا سے کامل محبت رکھتے ہیں۔ خدمت اور اطاعت میں پوری مشقت اٹھاتے ہیں اور کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ بس اسی شان کے شخص کو قلندر کہتے ہیں اور یہی معنی قلندر کے حضرت عراقی کے اس شعر میں ہیں ؎

صفارہ قلندر سزد ار بمن نمائی کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

تو گویا عراقی کا شعر خلاصہ ہے قرآن مجید کی آیت کا اور قرآن مجید کی آیت تفصیل ہے عراقی کے قول کی۔ پس قلندر وہ ہے جس میں عمل اور محبت دونوں جمع ہوں اور جس کی یہ شان ہو ؎

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

ایک ہاتھ پر شریعت کا جام دوسرے ہاتھ پر اہرن۔ ہر ہوسناک ان دونوں کو استعمال کرنا نہیں جانتا

اصغر جامع کا شعر ہے ؎

دیکھا نہ زمانہ میں مجذوب سا مستانہ   فرزانہ کا فرزانہ دیوانہ کا دیوانہ

اور رہ پارسائی وہ ہے جس میں نرا عمل ہو بلا محبت۔ اب میں صرف پانچ منٹ اور بیان کروں گا۔ پھر ختم کر دوں گا۔ چونکہ بہت دیر ہو گئی ہے اس لیے نیت تو یہیں ختم کر دینے کی تھی لیکن اصل مقصود بیان کرنے سے باقی رہ گیا ہے۔ یعنی رہ قلندر کی حقیقت تو بیان ہو چکی ہے۔ مگر اس کا طریق عمل بیان کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ محض حقیقت کا معلوم ہو جانا عمل کے لیے کافی نہیں لہذا رہ قلندری کی تحصیل کا طریق بھی بیان کرتا ہوں۔ اور یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ایسا طریق ہے جو محبت اور عمل دونوں کا جامع ہے۔ پس ان دونوں چیزوں کی تحصیل کا طریق معلوم ہونا چاہیئے۔ سو عمل کے متعلق تو خیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمت کرو عمل ہو جائے گا۔ بس اس کا یہی طریق ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ محبت کیونکر پیدا ہو۔ تو لیجئے میں اس کا ایک نسخہ لاکھوں روپیہ کا مفت بتائے دیتا ہوں۔ وہ نسخہ مرکب ہے چند اجزاء سے اور وہ سب چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں۔ غور سے سنئے وہ چند چیزیں یہ ہیں۔ سب سے اول ہے عمل کیونکہ میں اول ہی تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ عمل میں خاصیت ہے محبت پیدا کر دینے

اور اس کو بہت بڑا دخل ہے محبت پیدا کرنے میں چاہے تجربہ کر لو۔ روز روز کسی کے پاس جایا کرو۔ دیکھو محبت ہو جائے گی پہلے تھوڑی ہوگی پھر جاتے جاتے ایسا تعلق ہو جاوے گا کہ بہت ہی زیادہ۔ غرض یہ امر مسلم ہے کہ میل جول جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی زیادہ محبت ہوگی۔ وہ جو کہتے ہیں کہ پالے کی محبت اس کی یہی تو اصل ہے۔ غرض نیک عمل میں یہ برکت ہے کہ اس سے محبت حق پیدا ہو جاتی ہے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہم تو مدت سے نیک عمل کر رہے ہیں مگر محبت پیدا نہیں ہوتی۔ جواب یہ ہے کہ نیک عمل کے مفہوم میں ایک یہ ہی جز تو نہیں کہ بس عمل کر لیا۔ بلکہ وہ مرکب ہے اور اجزاء سے بھی ایک جز تو عمل کرنا ہے دوسرا جز یہ ہے کہ عمل کو اس کے طریق کے مطابق کیا جائے۔ مثلاً صرف ٹکریں مارنے کو نماز نہیں کہتے۔ نیک عمل جس طرح کیا جاتا ہے اور جو اس کا ماموربہ طریق ہے اسی طریق سے اس کو کرو۔ پھر دیکھو محبت کیسے پیدا نہیں ہوتی۔ تیسری وجہ اثر نہ ہونے کی یہ ہے کہ تم نے عمل کو صرف عادت سمجھ کر کیا اس نیت سے نہیں کیا کہ اللہ کی محبت بڑھ جاوے۔ عمل میں یہ نیت نہیں کی کہ اے اللہ آپ کی محبت پیدا ہو جاوے۔ سو

اس نیت سے عمل کرو۔ پھر دیکھو انشاء اللہ کیسا اثر ہوتا ہے بہر حال ایک جز تو اس نسخہ کا یہ ہے کہ نیک عمل میں بہ نیت ازدیادِ محبت استقامت کے ساتھ مشغول رہو۔ دوسری بات ضروری یہ ہے کہ اللہ کا نام لو جی لگا کر۔ یعنی تھوڑا اللہ اللہ بھی کرو تیسری بات یہ ہے اور یہ بہت ہی ضروری ہے کہ اہلِ محبت کی صحبت اختیار کرو۔ اس سے لوگ بھاگتے ہیں۔ اول تو اس طرف توجہ ہی نہیں کہ کسی بزرگ کی خدمت میں جا کر رہیں۔ بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں اور سمجھ لیا کہ ہم کامل مکمل ہو گئے۔ بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے۔ ہاں تم کمبل تو ہو گئے یعنی کمبل پوش۔ باقی نہ کامل ہوئے نہ مکمل۔ ارے بھائی موٹی بات ہے کہ بلا بڑھئی کے پاس بیٹھے کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا یعنی اگر بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لے کر اٹھائے گا تو وہ بھی قاعدہ سے نہ اٹھایا جا سکے گا۔ بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی کے پکڑنے کا انداز بھی نہیں آتا۔ بلا خوشنویس کے پاس بیٹھے ہوئے اور بلا قلم کی گرفت اور خط کی کشش کو دیکھے ہوئے ہرگز خوشنویس نہیں ہو سکتا۔ غرض بدون صحبت کامل کے کوئی کامل نہیں بن سکتا۔ لہٰذا پیر کامل کی صحبت لازمی ہے۔ پھر تو ایسا ہوتا ہے

کہ کبھی مرید پیر سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ مگر ابتدا میں تو کسی شیخ کامل کی صحبت کے بغیر چارہ نہیں۔ اور آج کل اسی کی ضرورت کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ کبھی کسی مصلح کے پاس گئے بھی۔ تو وہاں ہوتی ہے اصلاح۔ پہنچتے ہی لتاڑ پڑنا شروع ہو گئی۔ تو اب یہ حضرت گھبرائے کہ میاں کس مصیبت میں آ پھنسے۔ ہم تو آئے تھے بزرگ سمجھ کر انہوں نے لتاڑنا ہی شروع کر دیا۔ یہ کیسے بزرگ ہیں۔ یہ کیسے اللہ والے ہیں۔ اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی معدہ کا مریض طبیب کے پاس جا کر کہے کہ دیکھو جی ہم اپنے گھر حلوے کھایا کرتے تھے۔ حلوے ہی ہمارے لئے تجویز کرنا۔ ذرا حماقت تو دیکھئے۔ حالانکہ خدا کے فضل سے آپ کو دست بھی ہو رہے ہیں۔ معدہ بھی خراب ہے۔ ہضم بھی درست نہیں۔ یہ تو حضرت کی حالت اور حلوے کی فرمائش۔ طبیب بھلا اس کی کیوں رعایت کرتا۔ اس نے اس کی حالت کے مناسب کڑوا مسہل تجویز کیا اور جب اس نے پینے سے انکار کیا اور تین پانچ کی تو گرا کر زبردستی چمچوں کے ذریعہ سے پلا دیا۔ لیکن اس نے قصداً قے کر کے سارے پیے ہوئے مسہل کو پیٹ سے نکال دیا۔ آپ قے کیے جاتے ہیں اور بڑبڑاتے جاتے ہیں کہ واہ جی

ہم تو اپنے گھر میں حلوے کھایا کرتے تھے۔ حکیم جی نے نہ جانے کیا الا بلا پلا دی۔ کاش کوئی خیر خواہی سے کہتا کہ ارے بے وقوف تو کیا سمجھے۔ تجھے جو وہ اس وقت کڑوا مسہل پلا رہا ہے تو تیرے ساتھ وہ دشمنی نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ در اصل وہ تجھے حلوے کھلانے کے قابل بنا رہا ہے۔ ابھی تیرا معدہ حلوے کے قابل نہیں۔ ایسی ہی حالت میں تو حلوہ کھانے سے تجھے دست ہو رہے ہیں۔ تو حضرت اصلاح تو اصلاح ہی کے طریقہ سے ہوتی ہے۔ مولانا نے مثنوی میں اسی مضمون کو ایک حکایت کے ضمن میں لکھا ہے۔ حکایت یہ لکھی ہے کہ ایک قزوینی نے ایک دلاک سے کہا کہ تم میرے شانہ پر ایک تصویر شیر کی گود دو۔ چنانچہ اس نے گودنا شروع کیا اور سوئی لے کر کچے سے کر دیا۔ قزوینی کو جو تکلیف ہوئی تو ہائے واویلا کرنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ ارے میاں یہ کیا کر رہے ہو۔ اس نے کہا کر کیا رہا ہوں شیر کی شکل بنا رہا ہوں۔ پوچھا کس عضو سے شروع کیا ہے۔ کونسی چیز بنا رہے ہو۔ کہا۔ دم کی طرف سے شروع کیا ہے۔ دم بنا رہا ہوں۔ کہا میاں اس شیر کے لئے دم کی کیا ضرورت ہے۔ بے دم ہی کا سہی۔ اجی چھوڑو بھی اس

دُم کو۔ بھرا تو اس نے دم ہی نکال دیا۔ پھر اس نے دوسری طرف سے شروع کیا۔ پھر پیچھے سے سوئی چبھوئی۔ پھر وہ چیخنے چلانے لگا اور پھر پوچھا کہ اب کونسا عضو بنا رہے ہو۔ کہا اب کی دفعہ کان بنا رہا ہوں۔ وہ بولا۔ ارے میاں بعضے شیر بوچے بھی تو ہوتے ہیں۔ کان بھی چھوڑو۔ بوچا ہی شیر سہی۔ پھر تیسری جگہ سوئی لگائی۔ تو وہ پھر چلانے لگا۔ اور پوچھنے لگا کہ بھائی اب کیا بنا رہے ہو کہا پیٹ کہا میاں تم بھی عجب آدمی ہو اجی وہ شیر کھائے پئے گا تھوڑا ہی جو پیٹ بنا رہے ہو۔ یہ بھی رہنے دو۔ اب تو دلاک کو بڑا غصہ آیا سوئی اٹھا کر زمین پر پھینک دی اور جھلا کر کہا ؎

شیر بے گوش و سر و اشکم کہ دید ‏ ‏ ‏ ایں چنیں شیرے خدا ہم نافرید

بے کان بے سر بے پیٹ کا شیر کس نے دیکھا ہے۔ ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا

میاں ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں بنایا جس کے نہ سر ہو، نہ کان نہ پیٹ۔ پھر مولانا اس سے نتیجہ نکالتے ہیں اور فرماتے ہیں ؎

چوں نداری طاقت سوزن زدن ‏ ‏ ‏ از چنیں شیر ژیاں پس دم مزن

جب تو سوئی چبھونے کی طاقت نہیں رکھتا ‏ ‏ ‏ تو ایسا شیر بننے کا نام ہی مت لے

تم جو شیخ کے پاس اصلاح کی غرض سے آئے ہو تو اس کی سختی اور تنبیہ کو برداشت کرو او

اگر قزوینی کی طرح سوزن کی برداشت نہیں ہے تو شیر کا نام ہی مت لو اصلاح کی

درخواست ہی نہ کرو۔ بھائی وہاں تو صلاح اصلاح ہی کے طریقے سے ہوگی چھوٹا لیکے گئے تو نشتر لگے ہی گا۔ اب ہاں تو نشتر لگانا ضروری اور یہاں یہ حال ہے

تو بیک زخمے گریزانی زعشق | تو بجز نامے چہ می دانی زعشق

عشق کے ایک ہی زخم سے گھبرا کر بھاگ گیا۔ سوائے نام کے عشق کی نسبت تو اور کچھ نہیں جانتا۔

بس نام ہی نام ہے عشق کا۔ ایک ہی زخم لگا تھا کہ بھاگے۔ وہاں تو اوب یہ ہے کہ ؎

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش | سست و ریزندہ چو آب و گل مباش

ور بہر زخمے تو پر کینہ شوی | پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

کسی کو اپنا پیر بنا کر کمزور دل مت رہ۔ مٹی کی مانند سست اور پانی کی مانند آنسو مت بہا۔ اور اگر ہر زخم پر تو غصہ کرے گا تو بغیر قلعی کے مصفا آئینہ کیسے ہوسکے گا یہ مصیبت ہوگئی ہے۔ تو حضرت نرا وظیفہ اصلاح کے لئے ہرگز کافی نہیں۔ نرے وظیفے والے پیروں سے۔ واللہ ثم واللہ جو کبھی اصلاح ہو۔ اصلاح تو ہوتی ہے اصلاح کے طریقہ سے تو اہل محبت کے پاس جاؤ اور وہ جو کہیں وہ کرو۔ تھوڑے دنوں میں دل نور سے معمور ہو جائے گا۔ اور خدا کی قسم اس قدر محظوظ ہوگے کہ تمہاری نظر میں پھر سلطنت کی بھی کچھ حقیقت اور وقعت

نہ رہے گی حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

بیک جو مملکت کاؤس و کے را   جو بیخود گشت حافظ کے شمارد

حافظ جو عشق حقیقی میں بیخود ہو گیا وہ کاؤس اور کے کی بادشاہت کو جو کے ایک دانہ کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔

جامع کے شعر ہیں ؎

دل ہو وہ جس میں کچھ نہ ہو جلوۂ یار کے سوا
میری نظر میں خاک بھی جام جہاں نما نہیں

؎ کسی کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تخت سلیماں تھا

جناب میرے پاس قسم سے زیادہ کوئی ذریعہ یقین دلانے کا نہیں ہے صاحب میں مکرر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو اس طریق سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کر لے گا۔ وہ ایسا ہو جائے گا کہ پھر اس کو نہ موت کا خوف ہو گا نہ ذات الجنب کا نہ نمونیہ کا۔ نہ بخار کا نہ قحط کا نہ وبا کا۔ کوئی غم نہ رہے گا بس۔ بالکل جنت کی سی حالت ہو جائے گی۔ ہاں غم ہو گا تو ایک کہ اللہ میاں تو ناراض نہیں۔ خدا کے نزدیک میں کیسا ہوں۔ نہ جانے وہ مجھ سے راضی ہیں یا ناراض بس۔ اس غم کے سوا اور کوئی غم نہ ہو گا مگر

یہ غم ایسا لذیذ ہے کہ ہزاروں خوشیاں اس پر نثار۔ اس شخص سے اگر کوئی کہنے لگے کہ لاؤ تمہارا یہ غم تو ہم لے لیں اور اس کے عوض اپنی ساری خوشیاں تمہیں دے دیں تو کبھی نہ بدلے گا۔ تو حضرت یہ دولت ملے گی اہل اللہ کے پاس جانے اور ان کا اتباع کرنے سے تو حاصل طریق کا یہ ہے کہ اعمال میں ہمت کر کے شریعت کے پابند رہو ظاہراً و باطناً اور اللہ اللہ کرو اور کبھی کبھی اہل اللہ کی صحبت میں جایا کرو اور ان کی غیبت میں جو کتابیں وہ بتائیں ان کو پڑھا کرو۔ لو جی یہ چار چیزیں ہیں۔ میں ٹھیکہ لیتا ہوں کہ جو ان چار پر عمل کر کے دکھلاوے گا وہ یحبہم و یحبونہ کا مصداق یعنی اللہ تعالیٰ کا محبوب اور محب ہو جاوے گا۔ ضرور ہو جاوے گا۔ ضرور ہو جاوے گا ضرور بالضرور ہو جاوے گا۔ لو صاحب اب اختیار ہے جو چاہے عمل کر کے دیکھ لے اور تجربہ کر لے۔ اور اس کی ضرورت نہیں کہ مرید ہو جاوے۔ اجی کس کی پیری مریدی لئے پھرتے ہو یہ تو پکھنڈ ہے۔ بیعت کی صورت ضروری نہیں اصل چیز بیعت کی روح یعنی اتباع ہے (احقر جامع کا شعر ہے)

چار حق مرشد کے ہیں رکھ ان کو یاد   اعتقاد و اعتماد و انقیاد

جیسے طبیب سے رجوع کرتے وقت کوئی یہ نہیں کہتا کہ تحقیق نیت کرتا ہوں میں کہ آج سے بناؤں گا تم کو طبیب اپنا اللہ اکبر۔ اسی طرح اس کی کیا ضرورت ہے کہ پیر کہے میں نے تمہیں مرید کیا اور مرید کہے میں تمہیں پیر بنایا۔ اس پٹہ اور قبولیت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر پکے کاشتکار ہوگے اور طریقہ سے کاشتکاری کروگے تو بلا پٹہ اور قبولیت کے بھی غلہ پیدا ہوگا۔ غرض مرید ہونے کی ضرورت نہیں۔ پیر کے کہنے کے مطابق کام شروع کردو۔ بس ہوگیا تعلق۔ واللہ وہی نفع ہوگا جو پیری مریدی میں ہوتا ہے۔ اب لوگوں کا عجب حال ہے کہ کام بتاؤ تو سند کریں بس بیعت کا نام کرنا چاہتے ہیں۔ بیعت کیا ہے محض رسم ہی رسم رہ گئی ہے۔ چنانچہ جو پیر ایسے ہیں کہ مرید تو کرلیتے ہیں لیکن کام کچھ نہیں بتلاتے۔ اُن سے تو لوگ بہت خوش ہیں۔ اور میں مرید تو کرتا نہیں لیکن کام بتلاتا ہوں تو مجھ سے ناراض ہیں۔ یوں سمجھ رکھا ہے کہ وہ جو بھید ہیں فقیری کے وہ جو انچھر ہیں پریم کے وہ مریدوں ہی کو بتلائے جاتے ہیں۔ یہ خیال ہے کہ مرید کرتے ہی پیر بس پریم کے دو انچھر بتا دے گا۔ اور بس اللہ والے ہو جائیں گے۔ وہرے کتنے انچھر وہرے کتنے بھید

ڈلے پتھر۔ میاں خدا رسول کا نام لو اور احکام بجا لاؤ۔ بس یہی
اُبھر ہیں۔ اصلاحِ نفس کے طریقے پیر سے پوچھو۔ یہی بھید ہیں
اگر کوئی کہے کہ کیا باطنی طریق بس یہ ہی ہے تو ہم بہ آوازِ دہل
کہیں گے کہ ہاں یہی ہے۔ اور اس طریق میں کبھی بڑے بڑے
حالات بھی پیش آئیں گے۔ بڑی بڑی کیفیات بھی طاری
ہوں گی یہ سب ہو گا مگر یہ مقصود نہیں ہے۔ بھائی حالات تو
سڑک کے درخت ہیں پھولوں کے نظر آئے تو کیا نہ نظر آئے
تو کیا۔ سڑک تو بہر حال قطع ہو گی۔ درختوں اور پھولوں کا نظر
آنا نہ آنا سڑک کے قطع ہونے کے لئے ضروری نہیں۔ نظر
پڑیں گے تب قطع ہو گی نہ نظر پڑیں گے تب قطع بس چلتے رہنا
شرط ہے۔ اور بعضوں کو یہ درخت اور پھول عمر بھر بھی نظر
نہیں آتے۔ واللہ جن حالات کو آپ بڑا کمال سمجھتے ہیں۔ طریق
میں بس ایسے ہیں جیسے سڑک پر دو طرفہ درخت لگے ہوں۔ گلاب
اور بیلے کے کبھی نظر نیچی کر کے چلتے ہیں تو کیا راستہ قطع نہیں
ہوتا۔ راستہ تو برابر قطع ہوتا ہے چاہے درخت نظر پڑیں یا
نہ نظر پڑیں۔ افسوس ہے تصوف کا ناس کر دیا ہے ان جاہل
صوفیوں نے اور فقیری کو ہاؤ بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ چلے

کھینچو۔ بیوی کو طلاق دے دو۔ اولاد کو عاق کر دو، دروازہ کو تیغا کر دو۔ چالیس چنے رکھ لو اور ایک چنا روز کھاؤ۔ بدون اس کے اصل فقیری ملتی ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں واللہ دوشالو میں۔ گدے تکیوں میں۔ سلطنت میں۔ مرغن کھانوں میں فقیری ملتی ہے مگر گھر میں نہیں۔ شیخ کامل کی خدمت میں ملتی ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جن کی شان اتنی بڑی ہے کہ مولانا روم جیسے عارف کی ان کے بارے میں یہ رائے ہے ؎

هفت شهرِ عشق را عطار گشت
ما هنوز اندر خمِ یک کوچه ایم

عطار عشق کے سات شہروں میں پھر گیا، اور ہم ابھی ایک ہی گلی میں بھٹک رہے ہیں

وہ فرماتے ہیں ؎

گر ہوائے ایں سفر داری دلا
دامنِ رہبر بگیر و پس بیا

در ارادت باش صادق اے فرید
تا بیابی گنجِ عرفاں را کلید

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق
عمر بگزشت و نشد آگاہِ عشق

اے دل اگر عشق کے سفر کی خواہش ہے تو رہبر کا دامن تھامے اور روانہ ہو جا اے فرید یقین اور عقیدے میں پکا اور سچا رہ۔ تاکہ معرفت کے خزانہ کی کنجی حاصل کر سکے۔ بغیر رہبر کے عشق کی راہ میں چلا عمر بھر عشق کی حقیقت سے بے بہرہ رہا ہے

مگر شیخ ہونا چاہیئے کامل۔ اور کامل شیخ کی پہچان یہ ہے کہ شریعت کا پورا متبع ہو۔ بدعت اور شرک سے محفوظ ہو۔ کوئی جہل کی بات نہ کرتا ہو۔ اس کی صحبت میں بیٹھنے کا یہ اثر ہو کہ دنیا کی محبت گھٹتی جائے اور حق تعالیٰ کی محبت بڑھتی جائے۔ اور جو مرض باطنی بیان کرو اس کو بہت توجہ سے سن کر اس کا علاج تجویز کرے اور جو علاج تجویز کرے اس علاج سے دم بدم نفع ہوتا چلا جائے۔ اور اس کے اتباع کی بدولت روز بروز حالت درست ہوتی چلی جائے۔ یہ علامت ہے شیخِ کامل کی۔ ایسا شخص اگر مل جائے تو وہ اکسیر اعظم ہے۔ تو یہ ہے طریقہ محبت پیدا کرنے کا۔ اس سے تو ہو گی محبت۔ آگے رہا عمل تو اس کے لیئے ضرورت ہو گی ہمت کی۔ اب ایک اور غلطی میں لوگ مبتلا ہیں کہ پیر بنا کر اس کو ٹھیکہ دار اور ذمہ دار اعمال کا سمجھتے ہیں۔ اس میں اُن کا قصور نہیں کیونکہ ان کو بہکایا ہے دوکانداروں نے۔ چنانچہ ایک گاؤں میں ایک پیر صاحب آیا جایا کرتے تھے۔ ایک بار آئے تو کچھ دبلے ہو رہے تھے۔ گھر پر مرغن کھانے نہ ملے ہونگے ایک چودھری نے جو مرید تھا دیکھ کر کہا کہ اے پیر کیا بات ہے توں (یعنی تو) دبلا بہت ہو رہا ہے۔ اب کیا تھا۔ انھیں موقع

مل گیا۔ کہا کہ چودھری جی دُبلا نہ ہوں تو کیا ہوں۔ تمھاری طرف سے کام بھی تو مجھے بہت کرنے پڑتے ہیں۔ تم نماز نہیں پڑھتے تمھاری طرف سے مجھے نماز پڑھنی پڑتی ہے۔ تم روزے نہیں رکھتے۔ تمہاری طرف سے مجھے روزے رکھنے پڑتے ہیں۔ اور سب سے مشکل کام یہ ہے کہ تمہاری طرف سے مجھے پل صراط پر چلنا پڑتا ہے جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ بس اسی فکر میں جان سوکھی جاتی ہے۔ اب تو معلوم ہو گیا کہ کیوں دُبلا ہو رہا ہوں۔ ان ہی وجہوں سے دبلا ہو گیا ہوں۔ یہ سن کر چودھری کو بڑا رحم آیا۔ کہنے لگا وَہ وَہ وَہ دکلمہ تأسف ہے) ارے پیر مجھے تو بڑے کام کرنے پڑتے ہیں۔ تیرے اوپر تو بڑی محنت پڑتی ہے۔ جا میں نے تجھے اپنا مونجی کا کھیت دیا۔ پیر صاحب نے سوچا کہ یہ گاؤں کے لوگ ہیں ان کا کیا اعتبار ہے۔ ابھی چل کر کھیت پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔ ورنہ ممکن ہے بعد کو رائے بدل جائے۔ فوراً کہا کہ چودھری جی میں نے تمہارا کھیت کبھی دیکھا نہیں چل کے مجھے دکھا دو اور قبضہ کرا دو۔ اس نے کہا چل۔ اب پیر صاحب تو آگے آگے اور مرید صاحب پیچھے پیچھے کھیتوں میں راستہ نہیں ہوتا۔ پتلی پتلی ڈولیں ہوتی ہیں خاص

طور سے موٹی اور دھان کے کھیتوں کی ڈول بہت اونچی اور پتلی ہوتی ہے اور کھیتوں میں پانی بھرا رہتا ہے، یہ دونوں بھی ایک پتلی سی ڈول پر چلے جا رہے تھے۔ دفعتہً پیر صاحب کا پاؤں پھسلا اور دھڑام سے نیچے آ رہے کیونکہ پانی کی وجہ سے مٹی بھی چکنی ہو رہی تھی۔ چودھری نے کود کر اوپر سے ایک لات رسید کی اور کہا کہ سسرے تو تو کہتا تھا کہ میں پل صراط پر چلوں ہوں۔ جو بال سے بھی باریک ہے تو بالکل جھوٹا ہے ایک بالشت چوڑی مینڈ پر تو تجھ سے چلا ہی نہ گیا۔ بال سے باریک پل صراط پر تو تو ضرور چلتا ہو گا جا میں کھیت نہیں دیتا۔ میں تو پل صراط کے بدلے دے دوں تھا، اب کیوں دوں۔ جا میں اب نہیں دیتا۔ کھیت کا کھیت بیچارے کے ہاتھ سے گیا۔ پانی میں جدا گرا اور اوپر سے لات پڑی سو الگ۔ تو جناب ان جاہلوں کو ایسے دوکانداروں نے یہ پٹی پڑھا رکھی ہے کہ تمہیں کچھ عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ سب ہمیں کر لیں گے۔ بس اب وہ سچے پیروں سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں۔ چنانچہ میرے پاس خطوط آتے ہیں کہ صاحب تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلتی۔ دعا کرو کہ آنکھ کھلا کرے۔ میں لکھ دیتا ہوں کہ اچھا میں اس شرط پر دعا کروں گا کہ آپ میرے لئے یہ دعا

کر دیجیے کہ میری ایسی ٹانگیں ہو جائیں کہ میں روز کلکتہ پہنچ کر اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اٹھا دیا کروں۔ بے وقوف ہوئے ہو اگر آنکھ نہیں کھلتی تو میں کیا کروں۔ میاں اٹھو کسی طرح۔ اور اگر کسی طرح اٹھا نہیں جاتا۔ تو عشا کے بعد ہی تہجد کی رکعتیں پڑھ لیا کرو۔ غرض ہر چیز کا علاج ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ وظیفہ پورا نہیں ہوتا۔ کوئی ایسی توجہ دیجیے کہ وظیفہ پورا ہو جایا کرے بس سارے کام توجہ ہی سے چلانا چاہتے ہو۔ لاؤ میں توجہ کی حقیقت ظاہر کر دوں۔ صاحبو نہیں دوسروں کی توجہ سے بھی کام چلتا ہے جب تک کہ خود توجہ نہ کرے اور ہمت سے کام نہ لے۔ سارا کام ہمت پر موقوف ہے۔ بے وقوف یوں سمجھتے ہیں کہ بس سب کچھ پیروں کے ہاتھ میں ہے۔ پیر تو بیچارے کیا چیز ہیں خود جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طالب کے لئے بہت چاہا کہ مسلمان ہو جائیں مگر ہدایت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کا آپ کو ارشاد ہوا اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ یعنی آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے۔ بلکہ اللہ تعالےٰ ہی جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ لیجیے جب خود حضور ہی اپنی توجہ سے ہدایت نہ کر سکے

تو پیر بیچارے تو کیا کرتے۔ دیکھا آپ نے۔ اب تو صاحبو آپ کو توجہ کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ پھر ایک اور غضب یہ ہے کہ دین تو دین دنیا کے کام بھی پیر ہی کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھے خط لکھا کہ یہاں اتنے آدمی اب تک طاعون میں مر چکے ہیں خیر جو مر چکے وہ تو مر چکے اب جو زندہ ہیں ان کی خیریت چاہیئے ایسی دعا کیجیے کہ وہ نہ مریں۔ میں نے لکھا کہ حضور آپ کو تو ماشاء اللہ وہاں کی انسپکٹری مل گئی ہے جو وہاں کے انتظام کی فکر ہے لیکن مجھے ابھی ٹھیکہ داری نہیں ملی۔ تم انسپکٹر ہو گئے ہو مگر میں تو ٹھیکہ دار نہیں ہوا۔ یہ درخواست تو ایسی ہے کہ گویا حوالات سے اتنے مجرم تو بھاگ گئے۔ بقیہ کا ہیں پہرہ دو ں سو مجھے اس چوکیداری سے معاف رکھیئے۔ اس قسم کی حماقتیں کرتے ہیں نعوذ باللہ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ لوگ غرض یہاں تو جو کچھ حاصل ہوتا ہے کام کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور تم چاہتے ہو کہ کچھ نہ کرنا پڑے۔ پیر کی توجہ ہی سے سب کام بن جائیں اور کمال حاصل ہو جائے۔ ارے بھلا جن سے یہ درخواست ہے پہلے ان سے تو تصدیق کر لو کہ انہیں جو کمال حاصل ہوا ہے وہ کاہے سے حاصل ہوا ہے

حضرت چکی پیسنے سے پہلے چکی پیسی پھر آٹا نکل آیا۔ پھر پانی ڈال کر آٹا گوندھا۔ پھر روٹی بنا کر توے پر ڈالی وہ پک گئی پھر کھالی اب تم چاہتے ہو کہ کرنا تو کچھ نہ پڑے اور پیٹ بھر جائے۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ دو شخص ہم سفر تھے کسی مقام پر روٹی پکانے کے ٹھہرے تو ایک نے دوسرے سے کہا کہ آٹا تو میں لے آؤں گا لکڑی تم لے آؤ۔ اُس نے کہا بھائی مجھ سے تو نہیں اٹھا جاتا۔ میں تو بہت تھک گیا ہوں۔ نہیں دونوں چیزیں لے آنا۔ خیر وہ آٹا بھی لے آیا۔ لکڑی بھی لے آیا۔ پھر اس نے کہا کہ میں آگ جلاؤں۔ تم آٹا گوندھ لو۔ کہا اجی صاحب معلوم نہیں پتلا ہو جائے سخت ہو جائے پھر تم خفا ہونے لگو۔ بس تمہیں گوندھ لو۔ بیچارے نے آٹا بھی گوندھ لیا۔ پھر اُس نے کہا کہ تم توے پر روٹی ڈالتے جاؤ میں سینکتا جاؤں۔ کہا۔ میں نے تو بھائی کبھی روٹی پکائی نہیں۔ کچی رہ جاوے۔ جل جائے۔ نہیں آپ ہی پکاوے گے۔ خیر اُس نے روٹی بھی پکالی۔ جب سب ہو ہوا چکا اور روٹی پک پکا کر تیار ہو گئی تو اس نے ساتھی سے کہا کہ آؤ روٹی تیار ہے کھا لو کہنے لگا بھائی تمہارے خلاف کرتے ہوئے بہت دیر ہو گئی اب کہاں تک خلاف کروں اور کب تک انکار کرتا رہوں شرم

آتی ہے۔ اچھا لاؤ کھا لوں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بس احسان جتا کر کھانے بیٹھ گئے۔ خیر غنیمت ہے ایک بات تو مانی۔ نواب تم بھی چاہتے ہو کہ ایسا پیر ملے جو پکی پکائی کھلا دے لیکن ایسا نہ ہو گا۔ ع۔ ایں خیال ست و محالست و جنوں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پکی پکائی کھلائی ہی نہیں۔ اور کسی کی تو کیا ہستی ہے اور کیا مجال ہے۔ حضور تو غایت شفقت سے بہت چاہتے تھے کہ پکی پکائی ہی کھلا دیں مگر غیرت حق اور مصلحت دین کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت نہ دی۔ تو بھائی خوب سمجھ لو کہ کام کرنے ہی سے کام چلے گا۔ بس طریق یہی ہے کہ کام کرو۔ محنت کرو خدا برکت دے گا۔ اگر کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو تو بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ کام کرو اور محنت کرو۔ جیسا کہ مُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ سے میں ثابت کر چکا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ جو پیر ایسا کامل مکمل ہو اور جس میں مذکورہ علامتیں ہوں اس کی خدمت میں رجوع کرو۔ لیکن بیعت پر اصرار نہ کرو۔ درخواست پر اگر وہ کر لے اس کی عنایت ہے باقی تم اس کو دق نہ کرو۔ پھر جو وہ کہے کرو۔ اگر محنت کرائے محنت کرو۔ ذکر و شغل کرائے ذکر و شغل کرو۔ غرض اس کی فکر میں لگ جاؤ کہ کسی کامل مکمل کی صحبت میسر آئے

اب آخر میں یہ عرض ہے کہ مقصود میں کوتاہی کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جو عمل میں کوتاہی کرتے ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ اپنے قصد کو پختہ کریں اور ہمت سے کام لیں۔ دوسرے وہ ہیں جن میں محبت کی کمی ہے وہ اہل محبت کی صحبت اختیار کریں۔ غرض یہ دونوں چیزیں لازم طریق ہیں۔ ایک عمل۔ دوسری محبت۔ اول میں ہمت کی ضرورت ہے۔ دوسرے میں اہل اللہ کی صحبت اور اُن کے اتباع کی۔ اس سے ان صفات کے جامع اور ان ثمرات کے مستحق ہو جاؤ گے جو اس وقت بہ ضمن آیت قرآن بالتفصیل بیان کئے گئے۔ جو کچھ مجھے کہنا تھا۔ میں کہہ چکا۔ اب میں اس بیان کو ختم کرتا ہوں اور اس کا نام اس کی خصوصیات کے لحاظ سے جو کہ ظاہر ہیں۔ طریق القلندر رکھتا ہوں۔ اس نام میں یہ بھی مصلحت ہے کہ قلندر کے متعلق چونکہ عموماً لوگ بہت غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں اس نام کو سن کر یا دیکھ کر بے اختیار ان کو اشتیاق ہو گا کہ لاؤ دیکھیں اس وعظ میں طریق قلندر کی کیا حقیقت بیان کی گئی ہے اور جب دیکھیں گے تو عمر بھر کے لئے ساری غلط فہمیوں سے محفوظ ہو جائیں گے اور حضرت حافظ کے ان اشعار کی حقیقت کی تحقیق اور حقیت کی تصدیق ہو جاوے گی ○

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند　　نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجاست　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

ہر ایک اچھے چہرہ والا دلبری نہیں جانتا۔ نہ ہر ایک آئینہ رکھنے والا سکندری جانتا ہے
طریق قلندری میں ہزاروں باریک نکات ہیں۔ ہر وہ شخص جس نے سر منڈا لیا قلندری کیا جانے
اب دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں اور قلندر کی جو صفت اس وقت کتاب و سنت اور اقوال مشائخ و ائمۂ طریق سے بیان کی گئی ہے اس کا پورا پورا مصداق بنائیں اور ہر قسم کی گمراہی اور کجی سے ہمیشہ محفوظ و مامون رکھیں چونکہ یہ بیان حضرت قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کے قریب ہوا ہے جس میں حضرت کا روحانی فیض شامل ہونا بھی بعید نہیں اس لیے میں اس کا ثواب حضرت کی روحِ مبارک کو پہنچاتا ہوں (پھر سارے مجمع نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی) اور بعد دعا حضرت نے فرمایا کہ مصافحہ سے معافی چاہتا ہوں۔ مجھ کو بھی تکلیف ہوگی اور سب کو تکلیف ہوگی گیارہ بج چکے ہیں رات زیادہ ہو گئی ہے۔ سب صاحب آرام فرمائیں۔ فقط۔ وعظ تمام شد۔

اشرف علی

جامع وعظ ہذا احقر عزیز الحسن عرض کرتا ہے کہ الحمد للہ کہ یہ معرکۃ الآرا وعظ تقریباً چودہ برس بعد آج ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ یوم چہار شنبہ ٹھیک اذانِ مغرب کے وقت سہ دری حضرت حاجی صاحب میں بمقام خانقاہ امدادیہ

تھانہ بھون ضلع مظفر نگر صاف ہو کر قابل اشاعت ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور مقبول فرمائے اور میرے لئے کفارہ سیئات و ذخیرہ آخرت کرے۔ جو صاحب فائدہ اٹھائیں حضرت واعظ مدظلہم العالی کی طول حیات بایں فیوض و برکات کے لئے نیز جامع وعظ کے لئے توفیق مرضیات وحسن خاتمہ کی دعا فرمائیں۔ جناب مولوی محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری کے لئے بھی دعا فرمائیں جن کے مسودۂ اجمالی سے مجھ کو مدد ملی اور تسوید تفصیلی میں بھی بہت سے مشکل مقامات اُن سے حل ہوئے۔ مکرمی حافظ صغیر احمد صاحب سے بھی بہت مدد ملی کیونکہ نقل و مقابلہ انھیں نے کیا اور اگر وہ رات دن محنت کر کے اس کام کو نہ کرتے تو سارے کام اتنی قلیل مدت میں ہرگز ختم نہ ہو سکتے تھے۔ ان کے لیے بھی دعا کی جائے۔ اب آخر میں یہ احقر بھی اس وعظ کی تبییض کا ثواب بہ تبعیت حضرت واعظ مد فیوضہم العالی حضرت قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر فتوح کو پہنچا کر ختم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ والسلام خیر الکلام

الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات ؛

۲۷ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ

تعارف
مدرسہ نور محمدیہ

سلطان المشائخ حضرت میاں جیو نور محمد صاحب علوی جھنجھانوی قدس سرہ العزیز، تیرھویں صدی ہجری میں اپنے زمانہ کے قطب الاقطاب تھے۔ بقول شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مرحوم مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند "آپ کے زمانہ میں ہندوستان کا دنیاوی پایۂ تخت تو دہلی تھا اور روحانی پایۂ تخت لوہاری تھا"۔

مدرسہ نور محمدیہ قصبہ جھنجھانہ اسی روحانی بادشاہ کی مبارک یادگار ہے جن کے خلفاء اجل میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی و مدنی رح وحضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی اور حضرت حافظ ضامن صاحب رح شہید جیسے عالی مرتبت و مرد میدانِ معرفت تھے۔ جن کی فیض باری سے نہ صرف ہندوستان بلکہ عرب و عجم بھی سیراب ہوئے۔ پھر ان کے اجل خلفاء میں عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح و حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح و حضرت شیخ الہند

مولانا محمود الحسن صاحب رح و حضرت حکیم الامۃ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رح جیسی ہستیاں پیدا ہوئیں جس سے یہ نور محمدی عرب و عجم میں پھیلا اور چمکا۔ دار العلوم دیوبند حضرت قبلہ میاں جیو صاحب رح کی ایک پیش گوئی کا ظہور ہے۔

مدرسہ نور محمدیہ ۱۳۵۶ھ سے جھنجھانہ (حضرت میاںجیو نور محمد صاحب کے وطنِ مالوف) میں تبلیغ اسلام اور تعلیمِ قرآن و دینیات کی مبارک و مستحسن خدمت انجام دے رہا ہے۔ نیز تبلیغ اسلام کے پروگرام کے تحت ہر سال بیس ہزار کے قریب مذہبی معلومات کے لٹریچر اور چند رسائل صرف ڈاک خرچ وصول ہونے پر اس درس گاہ کی طرف سے برادرانِ اسلام کی خدمت میں مفت پیش کیے جاتے ہیں۔ کفر و الحاد کے اس دور میں ایسے مرکزِ فیضان کی بقا اور یادگارِ نورِ محمدی کا تحفظ ہمارے ایمان کی مضبوطی اور اسلامی عقائد و افکار کے استحکام کے لیئے اشد ضروری ہے۔ اشاعت دینیات کے اس ادارہ کو زیادہ سے زیادہ مالی امداد دینے کی ترغیب ہر مسلمان کے دل میں ہونی چاہیئے۔ لہٰذا تمام برادرانِ اسلام سے درخواست ہے کہ وہ اس ادارہ کی امداد و اعانت میں دل کھول کر حصہ

پس پروردگار عالم سے دعا ہے کہ وہ قطب عالم حضرت میانجیو نور محمد صاحب رح کی اس یادگار کو ترقی کے ساتھ دینی خدمات کے لئے قائم و دائم رکھے اور اہل خیر حضرات کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اس یادگار کو باقی رکھنے اور ترقی دینے کے لئے زیادہ سے زیادہ زکوٰۃ و صدقات اور دیگر عطیات سے امداد فرما کر ثواب دارین حاصل کریں اور اخروی دولت و نعمت سے اپنے دامن مراد کو بھر لیں۔

ہدیۂ تشکر۔ ادارہ نور محمدیہ اُن تمام معاونین حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے اس پُر آشوب زمانہ میں اس مبارک یادگار کی امداد فرمائی۔ خدائے عزوجل ان تمام معاونین کو فلاح دارین سے نوازے۔ آمین۔

نوٹ۔ اس خالص دینی درس گاہ کا کسی سیاسی جماعت کے ساتھ الحاق یا تعلق نہیں ہے بلکہ اس کا مطمح نظر صرف اشاعت قرآن و تبلیغ اسلام اور تعلیم دینیات ہے۔

تمام خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

نسیم احمد علوی مہتمم مدرسہ نور محمدیہ۔ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر

(یو۔پی)

ہمارے مفید کتبات و مفید رسائل

یہ کتبات بڑی محنت اور کاوش کے بعد مسجد کی زینت کے لئے ادارہ مدرسہ نور محمدیہ قصبہ جھنجھانہ چھ آنہ کے ٹکٹ برائے محصول ڈاک آنے پر مفت تقسیم کرتا ہے جن کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) نقشہ اوقات مقررہ نماز وانتہائے سحر و افطار ماہ رمضان المبارک۔ (۲) نقشہ ضروریات نماز (نقشہ ضروریاتِ وضو (۴) چند احادیث کا ترجمہ (۵) اسلامی زندگی (۶) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی چار نعمتیں (۷) نمازی کا اعزاز و اکرام (۸) ضروری ہدایات (۹) خطبہ کے آداب (۱۰) نماز اور نمازی کے آداب (۱۱) کھلی ہوئی کہنی سے نماز مکروہ ہوتی ہے (۱۲) مسجد میں داخل ہوتے وقت کی دعا (۱۳) مسجد سے نکلتے وقت کی دعا (۱۴) نماز با جماعت (۱۵) فضائل و مسائل رمضان المبارک و نماز عید الفطر (۱۶) احکام عید الضحیٰ۔

رسائل۔ (۱) چہل حدیث (۲) ڈاڑھی کا فلسفہ عقل اور مذہب کی روشنی میں (۳) الاذان۔

ملنے کا پتہ ادارہ مدرسہ نور محمدیہ قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر (یوپی)

اچھی کتاب زندگی کی بہترین رفیق ہے

تاجدار مدینہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے پاک حالات جس کا ایک ایک لفظ سچی محبت کا سبق دیتا ہے۔ جن کو دل کش انداز اور پیاری اردو زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ کسی مسلمان کو اس کتاب کے مطالعہ سے محروم نہیں رہنا چاہیئے قیمت چودہ آنے (۱۴ر)۔

سیرت بلال رض رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سچے عاشق پر اس سے پہلے اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ زبان سادہ اور پیاری ہے۔ قیمت ۶ر

حضرت عمر رض حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ ترین حیات کے محاسن کا اعتراف کون مسلمان ہے جس کو دل سے نہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے حضرت عمر رض کے حیرت انگیز اور شاندار کارناموں کا نقشہ آنکھوں میں سما جاتا ہے۔ زبان شستہ۔ قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ (۱) ادارہ نور محمدیہ قصبہ جھنجانہ ضلع مظفر نگر۔ فیض منزل (یو۔پی)

(۲) کتب خانہ نعمانیہ۔ دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)

روح پرور کتابیں

نورِ محمدی قطب عالم حضرت میانجیو نور محمد صاحب علوی جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ یعنی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی مدنی رحہ کے پیر و مرشد جو بقول شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحہ کہ حضرت میانجیو صاحبؒ اپنے زمانہ کے روحانی بادشاہ تھے۔ یہ کتاب اُن کے حالات کا بہترین مجموعہ ہے۔ حضرتؒ موصوف کی روحانی زندگی کے ان اوراق کا مطالعہ روح کی تازگی کے لیے ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے ضروری ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

اسلامی زندگی اس کتاب میں وہ اسلامی آداب پیش کیے گئے ہیں جن کی ضرورت ہر مسلمان کو عبادات و معاملات اور معاشرت میں پیش آتی ہے۔ اور اسلامی اخلاق سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عام فہم اردو زبان میں جمع کیے گئے ہیں۔ یہ آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ پر ایک بہترین کتاب ہے۔ قیمت ۶ر

ملنے کا پتہ

(۱) ادارہ نورِ محمدیہ قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر فیض منزل یو۔پی

(۲) کتب خانہ نعمانیہ۔ دیوبند ضلع سہارنپور۔ یو۔پی

معرکتہ الآرا وعظ

تجارت آخرت

حکیم الامتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی ؒ کو اللہ تعالیٰ نے تحریر اور تقریر میں وہ کمال عطا فرمایا تھا جو وہ اپنے معدودے چند بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔ حضرت ؒ نے اپنے اس معرکتہ الآرا وعظ میں آخرت کی کامیاب زندگی گزارنے کے وہ پسندیدہ طریقے بتلائے ہیں جن سے آخرت میں حیاتِ ابدی نصیب ہوتی ہے۔ یہ معرفت و روحانیت کے اسرار و رموز کا بیش بہا خزانہ ہے۔ قیمت دس آنے (۱۰ر)۔

طہارت اس کتاب میں طہارت کے متعلق تمام ضروری مسائل قرآن اور احادیث صحیحہ سے واضح اور روشن کرکے پیش کئے گئے ہیں۔ قیمت دس آنے (۱۰ر)۔

ملنے کا پتہ

(۱) ادارہ نور محمدیہ قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر فیض منزل
(۲) کتب خانہ نعمانیہ۔ دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)

اسلامی زندگی کے چمن میں بہار لانے والی کتابیں

حضرت صدیق اکبرؓ اس میں حضور کے سب سے اچھے اور سچے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پاک زندگی کو پیش کیا گیا ہے جس کے مطالعہ سے مسلمانوں کی زندگی میں ایسی بہار آجائے گی کہ اس کی مہک سے سارا عالم معطر ہو جائے گا. زبان سادہ، انداز بیان دلکش. مضامین وجد آفریں و روح پرور. کتابت و طباعت عمدہ. قیمت ۸

حضرت عثمان غنیؓ اس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پاک زندگی کو پیش کیا گیا ہے. حضورؐ کی دو بیٹیاں آپ کے نکاح میں آئی تھیں. حضرت آدم سے لے کر حضورؐ کے زمانہ تک کسی بھی نبی کی دو بیٹیاں کسی ایک انسان سے نہیں بیاہی گئیں اس لئے آپ کو ذوالنورین یعنی دو نور والا کہا جاتا ہے. زبان سادہ و شستہ. کتابت و طباعت عمدہ. قیمت ۸

حضرت علیؓ اس میں حضورؐ کے سگے چچا کے بیٹے. پیارے بھائی اور چہیتے داماد کی مبارک اور پیاری زندگی کی ایک جیتی جاگتی تصویر پیش کی گئی ہے جس میں معرفت و روحانیت کا ایک بیکراں سمندر موجزن ہے. قیمت آٹھ آنے

ملنے کا پتہ (۱) ادارۂ نور محمدیہ. قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر (یو.پی)

(۲) کتب خانہ نعمانیہ دیوبند ضلع سہارنپور (یو.پی)

(محبوب المطابع برقی پریس دہلی)